

بلا اجازت کوئی صاحب نہ چھاپیں

۲۵۰۰

إِنَّ مِنَ الشَّعْرِ حِكْمَةً وَإِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَكِحْماً

کلیات نظم حالی

یعنی

شمس العلماء مولانا خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم پانی پتی

تمام منظوم کلام کا مکمل مجموعہ

جلد اول



مستمبر - قطعات - غزلیات و رباعیات

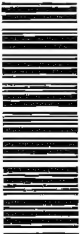
مُرتبہ

شیخ محمد اسماعیل سکری اور نیشنل پبلک لائبریری پانی پت

شباع کرچہ

لی ٹیک ڈپو پانی پت

M.A. LIBRARY, A.M.U.



U25070

قیمت ترم دوم ایک روپیہ بارہ آنے

ل دورویے بارہ آنے

فہرست مضامین کلیات نظم حالی جلد اول

صفحہ	نمبر شمار	عنوان نظم	صفحہ	نمبر شمار	عنوان نظم
۲۳	۱	اسباب	۲۳	۱	استفادہ
۲۴	۲	حصہ اول - قطعات	۲۴	۲	لایق آدمی دوست اور دشمن
	۳	[از صفحہ ۵ تا صفحہ ۵۵]	۲۵	۳	دووں سو فائدہ اٹھا سکتے ہیں
۱	۴	چھوٹوں کا برا بھلا	۲۶	۴	سخن سازی
۲	۵	شعر سے خطاب	۲۶	۵	عادت کا غلبہ عقل پر
۳	۶	شاعرہ کی طرح پر غزل نہ لکھنے کا عذر	۲۷	۶	شعر کو سلطنت میں دخل دینا
۴	۷	نکتہ چینی	۲۸	۷	لوگ کسی کی خوبیاں سن کر اتنی خوش
۵	۸	بے تیزی انہائے زبان	۲۸	۸	نہیں تھے جتنے کہ ان کے جب سن کر
۶	۹	ایک خود پسند امیر زادہ کی تعریف	۲۹	۹	شائستہ لوگوں کا برتاؤ مسائل کے ساتھ
۷	۱۰	موجودہ پولیٹیکل سسٹم	۳۰	۱۰	اسراف
۸	۱۱	پدی کر کے نیکی کی توقع کر تھی	۳۱	۱۱	پاس نیکنامی
۹	۱۲	تفاخر سے نفرت کرنے پر تفاخر	۳۲	۱۲	غزوہ نیکنامی
۱۰	۱۳	سید احمد خاں کی تکفیر	۳۳	۱۳	کالے اور گورے کی محبت کا میٹرکول امتحان
۱۱	۱۴	قرض تکبر کو جانے کی ضرورت	۳۴	۱۴	خود ستائی
۱۲	۱۵	آزادی کی قدر	۳۵	۱۵	حکم نفس
۱۳	۱۶	انگلستان کی آزادی و زندہ رہا کی غلامی	۳۶	۱۶	جس قوم میں افلاس ہو اس میں بخل
۱۴	۱۷	سید احمد خاں کی مخالفت کی وجہ	۳۷	۱۷	اتنا ہارنا نہیں جتنا اسراف
۱۵	۱۸	تخطا اہل اللہ	۳۸	۱۸	روسا کے عہد کی فیاضی
۱۶	۱۹	نو کروں بر سخت گیری کر کیا انجام	۳۹	۱۹	ایمان کی تعریف
۱۷	۲۰	نیشن کی تعریف	۳۹	۲۰	برکت اتفاق
۱۸	۲۱	صفائی نہ رکھنے کا عذر	۴۰	۲۱	بعد عروسی الیغ قریب معنوی نہیں ہے
۱۹	۲۲	دلی کی شاعری کا تنزل	۴۱	۲۲	ناصر مخلص اور اہل غرض
۲۰	۲۳	بیشیوں کی نسبت	۴۲	۲۳	میر تقی میر
۲۱	۲۴	سید احمد خاں کی تصانیف	۴۲	۲۴	خادم آقا کی خدمت میں کیوں
۲۲	۲۵	کی تردید	۴۳	۲۵	گستاخ ہو جائے میں؟
		یقین	۴۴	۲۶	خوشامد کی ضرورت
			۴۴	۲۷	رعیت پر نااہل کو مسلط کرنا

صفحہ	عنوان نظم	نمبر شمار	صفحہ	عنوان نظم	نمبر شمار
۳۸	قطعہ مرتبہ ۱۳۰۰ بمقام حیدر آباد	۶۹	۲۶	رنگ	۴۵
۳۹	قطعہ در شکر اضافہ ذلیقہ پیدش گاد	۷۰	۲۷	قانون	۴۶
۴۱	جناب سر آسمان چاہ بہادر مرتبہ ۱۳۰۱	۷۱	۲۸	شادی قبل از وقت بلورغ	۴۷
۴۲	شہرہ قدیم حضور شاہزادہ دیلار در سن و زمان	۷۲	۲۹	حرص	۴۸
۴۳	آخری سہارا	۷۳	۳۰	عصمت بی بی از بے چادری	۴۹
۴۴	تہنیت من نشینی حضور نظام دکن	۷۴	۳۱	سچ کہاں ہے؟	۵۰
۴۵	حاضرین کا نفرین سے خطاب	۷۵	۳۲	اپنا الزام دوسروں پر پھوپنا	۵۱
۴۶	قوم کی طرف سے حضور نظام کا شکریہ	۷۶	۳۳	خوشامد کے معنی	۵۲
۴۷	علی گڑھ کالج کیا سکھاتا ہے؟	۷۷	۳۴	تدبیر قیام سلطنت	۵۳
۴۸	شکریہ مسٹر مرور	۷۸	۳۵	مرد و عورت کی حکومت کا فرق	۵۴
۴۹	مشر مار لین کی رو انگی ولایت	۷۹	۳۶	مغزور کی پہچان	۵۵
۵۰	خطاب بہ حاذق الملک	۸۰	۳۷	کام اچھا کرنا چاہیے نہ جلد	۵۶
۵۱	شکریہ مساعی جمیلہ ظفر علی خاں	۸۱	۳۸	گدا کے مہرم	۵۷
۵۲	حصہ دوم - غزلیات	۸۲	۳۹	بے اعتدالی	۵۸
۵۳	(از صفحہ ۵۶ تا صفحہ ۱۳۰)	۸۳	۴۰	طیب اپنے بیماروں کے مرنے پر ہنسیوں نہیں کرتے۔	۵۹
۵۴	حصہ سوم - رباعیات	۸۴	۴۱	اپنی ایک ایک خوبی کو بار بار ظاہر کرنا	۶۰
۵۵	(از صفحہ ۱۴۱ تا صفحہ ۱۶۸)	۸۵	۴۲	مغزور غریب کا انجام	۶۱
۵۶	۱۔ تعداد قطعات	۸۶	۴۳	اخلاق مذہبیا رافع نہیں ہو سکتا	۶۲
۵۷	۲۔ تعداد غزلیات	۸۷	۴۴	انسان جو اشرار الخلوقات ہے سب زیادہ مورد آفات ہے	۶۳
۵۸	۳۔ تعداد رباعیات	۸۸	۴۵	چند بانی کا انجام	۶۴
۵۹		۸۹	۴۶	قوم کی پاسداری	۶۵
۶۰		۹۰	۴۷	قطعہ بجا نواب سر آسمان چاہ بہادر مرتبہ ۱۳۰۵	۶۶
۶۱		۹۱	۴۸	تہنیت ولادت فرزند ارجمند در بستان اقبال جناب سر آسمان چاہ بہادر	۶۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۵۰۷۰

۸۹۱۳

۱۳۱۳



اردو شاعری کے مجدد اور حکیمانہ نظم کے مجدد "سعدی ہند" شمس العلماء مولانا خواجہ الطاف حسین
حالی پانی پتی کا نام نامی ہندوستان بیدار میں اب کسی تعارف کا محتاج نہیں رہا۔ ہر کہ دمہ
آپ سے واقف اور ہر چھوٹا بڑا آپ کی فرسوز نظموں کا دلدادہ ہو۔ مولانا نے جو کیف انیسویں صدی
شاعری کے مردہ اور بیجان جسم میں ڈالی ہو اور اردو نظم کو جس میں نئی شعروں، نیا پاک و اسوؤں، نیا
مثنویوں، گندگی سے بہری ہونی غزلوں، ہجو و معال کے جھگڑوں، آسمانوں کی شکایتوں، رقیب
کی برائیوں، محل و قیل کے تذکروں، کنگھی چوٹی کی داستانوں، عاشق کی وفاؤں، معشوق کی
کج ادائیگوں، استغفار کی راتوں، فراق کی بیقرار یوں، داعطوں اور ناصحوں پر صلاؤں اور پھبتیوں
کے سوا بالعموم کچھ نہ تھا اور وہ جس اور پلید شاعری جس کا دفتر بے پایاں مولانا کے اس مصرع کا مصداق
ہو رہا تھا کہ "حفظت سے سنا اس سے جو ہے بدتر" اُسے اس ادنیٰ اور ذلیل حالت سے مولانا
نے جس معراج ترقی پر پہنچایا اور جیسے خوشنما نقش و نگار اور ولعرب پھول بوٹے اُس میں بنائے ہیں
اور اُسے جس قدر اخلاقی، ناصحانہ، ادبی اور فلسفیانہ سانچے میں ڈھالا ہے وہ باخبر اصحاب سے
مستحق نہیں۔ آپ ہی کی ان تھک کوششوں اور زبردست مساعی جمیل کا نتیجہ ہے کہ آج ہم اردو
کو اس حالت میں دیکھ رہے ہیں کہ بفضلِ خدا اس میں ہر قسم کا پاکیزہ اثر بیکھر پڑا ہے۔ جس میں

روز بروز اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ الہیات کے مسائل اس میں طے کئے جاتے ہیں۔ کتب مقدسہ
 الہامیہ کے تراجم اس میں طے کئے جاتے ہیں۔ حدیثوں کا مطلب اس میں بیان کیا جاتا ہے۔
 بزورِ کلام دین کے ملفوظات اس میں طے جاتے ہیں۔ اخلاقی مضامین اس میں پائے جاتے
 ہیں۔ اصلاحی امور اس میں بتائے جاتے ہیں۔ تاریخی واقعات اس میں تحریر کئے جاتے
 ہیں۔ ادبی جوہرِ ریزے اس میں چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ سائنٹفک اور علمی مسئلے اس میں کھینچ
 لئے جاتے ہیں۔ غرض ہر قسم کی مفید و محسب اور کارآمد معلومات کو نظم کا لباس پہنایا جاتا ہے
 یہ سب کچھ تو ہے مگر تحت الشریعہ میں گری ہوئی اور بلا مبالغہ نجاست کے سمندر میں ڈوبی
 ہوئی ہماری شاعری کو پاک و مطہر بنا کر اعلیٰ درجہ کی بلندی تک پہنچانے کا سہرا کس کے سر پر؟
 اگر آپ ادیبوں کی ایک فہرست میں یہ سوال کریں تو درودِ پورانک سے یہی صدا آئیگی کہ ”حالی کے“

اخلاقی اور ناصحانہ نظم کا جعفر بٹیش بہاؤ خیرہ حالی نے باوجود چھڑا رہے (اور جس سے قبل ایسے ہماری
 نظم گویا بالکل تھی دست تھی) وہ ہمارے اس دعوے کی ایک نہ بد دست اور روشن دلیل ہے۔
 نصیحت کی باتیں عموماً کڑوی۔ کیلی اور ناگوار طبع ہوا کرتی ہیں۔ دیکھ لو اس قسم کی کتابوں
 کو کتب فروشوں کی الماریوں میں کیڑے کہا رہے ہیں اور کوئی انہیں دھکیلے کو نہیں بوجھا۔
 اَلَا شَاءَ اللہ۔ مگر حالی نے انہیں کڑوی باتوں کو ایسے مفرح اور لذیذ شہد میں تبدیل کر دیا کہ
 لوگ انگلیاں چاٹتے رہ گئے اور یہی وجہ تھی کہ حالی کی نظم شہرت کے پر لگا کر اڑتی اور بچتے
 دیکتے سارے ہندوستان میں پہل گئی۔ کوئی جگہ نہ رہا جس کی زبان پر حالی کے اشعار نہ
 ہوں۔ کوئی جوان نہ رہا جس نے فرے لے لے کر حالی کی نظمیں نہ پڑھی ہوں۔ کوئی بوڑھا نہ رہا
 جس نے حالی کا کلام نہ سنا ہو۔ پلے سارے ملک پر وہ گایا گیا۔ حال دقار کی محفلوں میں وہ
 پڑھا گیا۔ مسجد کے ممبروں پر وہ سنایا گیا۔ قومی جلسوں کی وہ زینت رہا۔ سیاسی اجتماعوں
 میں اسکا ذکر آتا رہا۔ مذہبی تصانیف میں وہ نقل کیا گیا۔ طلباء کے کورس میں وہ داخل کیا گیا۔
 غرض ملک کے طول اور عرض میں جس ذوق و شوق اور دلچسپی کے ساتھ اسکا خیر مقدم کیا گیا
 اور جتنی بے انتہا شہرت اُسے حاصل ہوئی وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ اخلاق۔ اصلاح معاشرت
 اور چند موعظت کے جوہر تھے پھر اس بہرہ و قوم ناصح کے منہ سے چھڑے وہ دُنیا کے

شاعری میں اپنی مست و بیخود کر دینے والی ہمسائے فضا کے عالم کو ہمیشہ محط کرتے رہیں گے۔ ایک دنیا اُن سے فیضیاب اور ایک عالم اُن سے مستفید ہوگا۔

حالی کے کلام کی شہرت صرف وطن ہی تک محدود نہیں رہی بلکہ نہایت جلد مولانا کی زندگی ہی میں ہندوستان سے نکل کر سمندروں کو طے کرتی ہوئی فرانس اور انگلستان تک پہنچ چکی تھی اور ادھر ہماروں کو عبور کر کے افغانستان اور اس سے گذر کر ایران تک کے پڑے ہوئے اشخاص حالی کے نام سے روشناس ہو چکے تھے۔ خود اُن کے اپنے وطن میں متعدد زبانوں میں انکی لائبریری اور اثر انگیز نظموں کے تراجم نہایت اہتمام اور نفاست کیساتھ شائع ہو چکے ہیں لکن تمام مطبوعہ کلام پر تفصیلی رد و یو اور تبصرہ کرنے کی تو خود اس زبان میں جس میں وہ کلام موجود ہے اب تک کسی کو توفیق نہیں ملی لیکن ہندی میں یہ کام اب سے بہت پہلے ہو چکا ہے۔ اُن کی مشہور و معروف نظم ”پیوہ کی مناجات“ نہ معلوم کس در و دل کے ساتھ اور کیسی نیک ساعت میں لکھی گئی تھی کہ اب تک دس سے زیادہ زبانوں میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں اور اُن کا سلسلہ ابھی تک بند نہیں ہوا۔ خود اردو میں اُن کے کلام کی مقبولیت اس درجہ بڑھ رہی کہ غالباً کوئی کتب فروش نہیں جس نے حالی کی نظمیں فروخت کی ہوں اور کوئی مطبع نہیں جس نے حالی کا کچھ نہ کچھ کلام نہ چھاپا ہو۔ ایک ایک نظم اور ایک ایک کتاب کے بیسیوں اوڈیشن شائع ہوئے اور ہاتھوں ہاتھ بک گئے اُن کی ہمدیس جنوبی مرتبہ ملک کے مختلف مطابع سے چھپ کر شائع ہوئی وہ اس اثر اور جوش میں دوہری ہوئی عظیم التظیم نظم کی حد سے بڑھ رہی ہوئی مقبولیت کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔ ایک سے ایک اعلیٰ اور نئی نئی وضع و طرح کے بہت سے نفیس اور خوبصورت اوڈیشن ہمدیس کے شائع ہو چکے ہیں اور ایک ایک وضع کا اوڈیشن دس دس اور پندرہ پندرہ مرتبہ شائع ہو کر دیکھتے دیکھتے ختم ہو چکا ہے۔ مطابع والوں نے اس کی بدولت سیکڑوں روپے حاصل کئے اور کتب فروشوں نے اس سے ہزاروں کمائے۔ وہ حالانکہ شائع ہونے میں تصنیف کی گئی تھی اور اس کے بعد کی سیکڑوں تصانیف آج دنیا کو بالکل فراموش ہو چکی ہیں۔ لیکن ہمدیس کی اشاعت ہر دوسری مقبولیت میں ہرگز کوئی کمی نہیں آئی۔ آج بھی وہ ہر کتب فروش کی دکان کی اسی طرح زینت ہے جیسے آج سے قبل گذشتہ چالیس برس کے زمانہ میں رہی ہے۔ بلکہ جوں جوں زمانہ گزرتا جا گیا یقین ہے کہ اس کی اشاعت اور مقبولیت بڑھتی ہی جائیگی۔

مولانا نے ایام جوانی سے شکر کہنے شروع کئے اور آخر عمر تک کچھ نہ کچھ کہتے رہے وقتاً فوقتاً جو کچھ اور جعفر اس سعدی ہند کے منہ سے نکلتا رہا وہ چھپ کر شائع ہوتا رہا۔ لیکن کلام کا کلام مجموعہ متفرق اور براگندہ حالت میں تھا اور سب ایک جگہ اکٹھا دستیاب نہ ہوتا تھا۔ کوئی نظم کہیں ملتی تھی اور کوئی نظم کہیں۔ اس کی کوشش پہلے خود مولانا نے محسوس کیا اور اسی وجہ سے آخری عمر میں مولانا کی بڑی خواہش یہی تھی کہ اپنی تمام کلیات نظم مرتب کر کے بیچوائیں جو ان تمام چھٹی بڑی نظموں کا مکمل مجموعہ ہو جو شروع سے لیکر آخری وقت تک آپ کے قلم سے نکلیں اس خواہش کا تذکرہ مولانا نے ان متذکرہ خطوط میں بھی کیا ہے جو اس زمانہ میں آپ نے اپنے اعزہ و احباب کو لکھے ہیں اور جو اگرچہ مرتب نہ ہو چکے ہیں لیکن ابھی تک ان کے پھینے کی نوبت نہیں آئی۔

اس خواہش کی تکمیل مولانا نے باوجود ضعیف و لقہاست۔ پیرانہ سالی اور خفایہ عوارض و صدایات عالمی کے نہایت ہمت کے ساتھ اس طرح شروع کی کہ پہلے نہایت محنت لگاتا کہ اپنا تمام براگندہ فارسی اور عربی نظم و شعر کلام جمع کرنا شروع کیا اور شب و روز کی محنت و فاقہ سے اس کو مکمل کر کے چھپنے کے لئے پہنچا دیا۔ مولانا کے انتقال سے صرف پانچ مہینے پہلے اگست ۱۹۱۲ء میں یہ مجموعہ چھپ کر شائع ہو چکا تھا۔ درحقیقت یہ ایسا مشکل اور اہم کام تھا کہ اگر خود مولانا اپنے ہاتھ سے اس تکمیل نہ کر جاتے تو بعد میں اسکا شائع ہونا نہایت محال اور قریب ناممکن کے تھا۔

مولانا کا ارادہ تھا کہ یہ مجموعہ اپنی اردو کلیات نظم کے انہی بظور نیمیمہ کے ملحق کریں اور اسی لئے مولانا نے اس مجموعہ کا نام ضمیمہ کلیات نظم اردو رکھا تھا۔ لیکن اس کی عام طور پر اشاعت نہیں ہوئی اور یہ ہونا الماریوں میں بند رہا ہے۔ ضمیمہ کے بعد اصل کتاب یعنی اردو کلیات نظم کی تدوین کا نمبر تھا کہ اجل نے زیادہ مہلت نہ دینے دی اور افسوس کہ مجموعہ ۱۹۱۲ء کی آخری رات سے مولانا کو جیسے ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ ط۔

مولانا کے بعد کسی نے اس طرٹ توجہ نہ کی اور کام پہنچ کا بیج میں رہ گیا۔ حالانکہ یہ ایک ایسا کام تھا کہ اب سے بہت پہلے اسکا تکمیل کو پہنچ جانا ضروری تھا اور اپنی کلیات نظم شائع کرنے کی

وہ خواہش جو مولانا کے دل ہی میں رہی انکی وفات کے بعد نہایت جلد پوری ہو جانی چاہیے تھی۔
 لیکن اگرچہ ملک میں اہل قلم حضرات اور لائق دعاؤں کی کمی نہ تھی جو اُسے یقیناً زیادہ بہتر حالت میں
 اور باسانی مرتب کر سکتے تھے۔ مگر مولانا کے انتقال کو آج نو برس ہو چکے لیکن انہیں اس طویل مدت میں کسی بندہ
 خدا کو اسکا خیال پیدا ہوا۔ اور ادھر کلام حالی کی قبولیت اور ہر دو عمری کا یہ عالم تھا کہ مولانا کی نظلیں متفرق اور
 علیحدہ علیحدہ چھپ کر کثرت اور بد شدت فروخت ہو رہی تھیں اور وقت بھی گمان تھا کہ حالی کا بہت سا کلام دریا
 انہیں آیام میں پہنچے۔ لانا کا تمام غیر مہربانہ اور اجازت کے فائلوں میں منظر شدہ
 کلام نہایت تلاش سے جمع کر کے گزشتہ سال جو اہر اسکا حالی کے نام سے شائع کیا۔ اسکی
 ترتیب سے فراغت کے بعد میں مولانا کی کلیات نظم مرتب کرنے کی طرف متوجہ ہوا کہ مولانا کی
 وہ آرزو پوری ہو جائے جس کی تکمیل کی خواہش افسوس ہے کہ مولانا اپنے ساتھ لے گئے۔
 اس کی ترتیب میں زیادہ وقت صرف نہیں ہوا اور الحمد للہ کہ میں نہایت قلیل مدت
 میں اس کی تکمیل سے فائدہ ہو گیا۔ شہادت ہی جناب کے سامنے ہیں۔ اس کتاب سے اردو لٹریچر
 کی ایک بہتر بات ان کی پوری ہونے کے علاوہ شائقین کو حالی کی نظموں کی علیحدہ علیحدہ
 تلاش کی زحمت سے بھی بچات مل جائے گی۔ نیز نظموں کے متفرق اور علیحدہ علیحدہ فروخت
 ہونے کی وجہ سے کچھ زمانہ گزرنے کے بعد جو بعض نظموں کے کتاب یا ضائع ہو جانے کا اندیشہ
 سب سے تمام کے ایک مجموعہ میں مرتب ہو جانے سے وہ بھی رفع ہو جائے گا یہ بالکل واقعہ ہے
 کہ اگر ایسی سخت ضرورت کے وقت بھی اس کی طرف سے غفلت اور لاپرواہی برتی جاتی تو کچھ
 عرصہ اور گزر جاتا جس پر اس کی ترتیب محال نہیں تو کم از کم دشوار ضرور ہو جاتی۔
 نظموں کے جمع اور تراجم کرنے میں سے تلاش کا کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔ اور اپنی
 طرف سے اس امر کی پوری کوشش کی ہے کہ یہ کتاب مولانا کی تمام اور کل نظموں کا جامع اور کل
 مجموعہ ہو۔ اگر شاید کوئی نظم چھوٹ گئی ہو اور کسی صاحب کے پاس ہو تو اُسے میرے پاس بھیج دیں
 مع شکریہ کے دوسرے اڈیشن میں شامل کر دی جاگی۔

نظموں کی ترتیب میں نہ صرف وارہ کی ہے یعنی تمام اقسام کی نظلیں علیحدہ علیحدہ مرتب
 کی ہیں۔ مثلاً تمام قطعات ایک جگہ جمع کر دیے ہیں۔ تمام غزلیں ایک جگہ ہیں۔ تمام رباعیات
 علیحدہ ہیں۔ دس علی ایذا۔ تمام کلیات کی چار جلدیں ہیں۔ ہر ایک جلد متحد و محصور پر مشتمل ہے
 اور ایک حصہ میں تمام ایک ہی قسم کی نظلیں ہیں۔ تدوین کتاب کے وقت یہی ترتیب کچھ بجلی

معلوم ہوئی درجہ ترتیب کی بعض اور صورتیں بھی ذہن میں تھیں۔
 کلیات کا مسودہ میں نے انتہائی احتیاط کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ ایک ایک شعر کا
 مستند نسخوں سے مقابلہ کر لیا ہے تب لکھا ہے۔ کتاب کی کاپیاں مطبع سے آئیں تو ایک
 چھوڑ تین تین مرتبہ ان کا بغور مطالعہ کر کے غلطیوں کو درست کیا۔ غرض حتی الامکان غلطی کا
 امکان نہیں رہنے دیا۔ اتنے کثیر ”دوم“ کے بعد بھی اگر پیش نظر صفحات میں کوئی ایک آدھ
 غلطی رہ گئی ہو تو ناظرین سمجھ لیں کہ مزید احتیاط میرے اختیار سے باہر تھی۔
 دیباچہ ختم ہو گیا۔ اب اصل کتاب شروع کرتا ہوں۔ خدا جہن قبول روزی کرے اور
 اس کو مدرس کی سی جگہ اس سے بھی وہ چند قبولیت نصیب ہو۔ از جلد جہاں آمین بار۔

خاک

محمد اسماعیل از پانی پت

جنوری ۱۹۲۲ء



الحمد لله الذي جعل في القرآن الكريم
 ما لا يحصى من العجائب والبركات

حصہ اول

قطعات

----- () -----

چھوٹوں کا بڑا بن جانا

چند خطوط اک دانا نے	کھینچ کے یاروں سے یہ کہا
”ویکھ لو ان میں جتنے ہیں خط	کوئی ہے چھوٹا کوئی بڑا
ہے کوئی؟ جو بے ہاتھ لگائے	دے یہ نہیں چھوٹے خط کو بڑھا
ایک نے جتنے خط نئے بڑے	اُٹھ کے دیا ایک اک کو مٹا
جب نہ رہا وہاں پیش نظر	خط کوئی چھوٹے خط کے سوا
دیکھا اٹھا کر آنکھ جدم	تھا وہی چھوٹا وہ ہی بڑا
کل کی ہی یارو بات کہ تھی	قوم میں باقی جان ورا
قوم میں جیسا حال ہے اب	آدمیوں کا کال نہ تھا
تھے موجود ادیبوں میں	اُختل و اعشیٰ کے ہمتا

نشیوں میں ایسے تھے بہت
 شر میں تھے استاد اکثر
 لے گئی اُن کو آخر کار
 اہل ہنس کا نام و نشان
 قوم میں جب باقی نہ رہا
 حالی و زید و عمر بے
 اب چاہو۔ استاد گنو
 ہم ہیں وہی ناچیند۔ مگر
 جن پہ کہ نازاں بھی انشا
 سحر بیان اور نکتہ سرا
 بحر فنا کی فوج ہوا
 صاحب دیوان نام خدا
 یا ہمیں سمجھو تم کیتا
 گیتِ ناموت الگ کیتا

شعر سے خطاب

لے شعر و فریب نہ تو۔ تو غم نہیں
 صنعت پہ ہو فریفتہ عالم اگر تمام
 جو ہے راستی کا اگر تیری ذات میں
 حُسن اپنا گر دکھا نہیں سکتا جہاں کو
 تو نے کیا ہے بحر حقیقت کو موج خیز
 وہ دن گئے کہ جھوٹ تھا ایمان شاعری
 اہل نظر کی آنکھ میں رہنا ہے گر عزیز
 ناک اُپر پی دوا سے تری گر پڑ جائیگ
 چپ چاپ اپنی سیج سے کئے جادلوں میں
 جو نابلدہ ہیں اُن کو تبا چور بن کے رہا
 پر تھپہ حیف ہے۔ جو نہو دل گداز تو
 ہاں سادگی سے آئیو اپنی نہ باز تو
 تحسین روزگار سے ہے بے نیاز تو
 آپے کو دیکھ اور کر اپنے پہ ناز تو
 دھوکے کا غرق کر کے رہیگا جہاز تو
 قبلہ ہو اب اُدھر تو نہ کیجئے ساز تو
 جو بے بصر ہیں اُن سے نہ رکھ ساز باز تو
 مخدور جان اُن کو جو ہے چارہ ساز تو
 ادبِ اچھی نہ کر علم امتیاز تو
 گر چاہتا ہے خضر کی عمر دراز تو

۱۱ یعنی بڑے آدمیوں کی موت نے ہمیں بڑا کر دیا ۱۲

۱۳ بلد واقف راہ اور نابلدہ ناواقف راہ ۱۴

عزت کا بیدار ملک کی خدمت میں ہی چھپا
 اے شعر راہ راست پہ توجہ کہ پڑ گیا
 لا کرنی ہو فسح گرنئی دُنیا تو نے نکل
 ہوتی ہو سیح کی قدر۔ پہ بیدار ہو کے بعد
 جو قدر دان ہو اپنا اُسے منتعم سمجھ
 محمود جان آپ کو گرہے ایسا نہ تو
 اب راہ کے نہ دیکھ نشیب و فراز تو
 بیروں کا ساتھ چھوڑ کے اپنا جہاز تو
 اسکے خلاف ہو تو سمجھ اسکو شاذ تو
 حالی کو تجھ پہ ناز ہے کراس پہ ناز تو

مشاعرہ کی طبع پر غزل نہ لکھنے کا عذر

ہوئی ریعان جوانی کی بہار آخر حیف
 اپنی سودا دیتی۔ جو عشق کا کرتے تھے بیان
 اب کہ الفت ہے نہ چاہت جوانی نہ اُننگ
 گر غزل لکھے تو کیا لکھے غزل میں آخر
 آپ پتی نہ ہو جو۔ ہے وہ کہانی بے لطف
 ہاں مگر کیجے کچھ عشق کا غیروں کے بیاں
 کیجئے وصلِ صنم کی کبھی فسخی نصیحت
 تاکہ بھڑکائے جوانوں کے دل آتشِ کطع
 پیہ پڑے کہیں اپنی بھی وہی ہونہ مثل
 طبع رنگیں تھی مے عشق کی جیب متوالی
 جو غزل لکھتے تھے۔ ہوتی تھی سرسری حالی
 سر ہو سوا سے تھی عشقِ سوداں کی خالی
 نہ رہی خیر وہ مضمون سو جھانے والی،
 گرچہ ہوں لفظ فصیح اور زباں ٹکسالی
 لایے باغ سے اوروں کے لگا کر ڈالی
 کیجئے دردِ جدائی کی کبھی نفالی
 وہ ہوا۔ جس کے داغ اپنا ہوا ہے خالی
 ”فجسہ چوں پیر شود پیشہ کُندِ دلالی“

نکتہ چینی

بائے پیٹے کو سمجھا یا کہ علم و فضل میں
 کیجئے تصنیف اور تالیف میں سچی تبلیغ
 دیکھئے معنی کے نظمِ نثر میں یا بہا
 جس طرح بنائے بیٹا نام پیدا کیجئے
 اس میں ایک اپنا پسینا اور لہو کر دیکھئے
 اور سخن کی واہر پہ چوہاں سے لینجئے

اور نہ ہو گر شعرا و انشا کی لیاقت آپ میں شاعروں اور فنشیوں پر نکتہ چینی کیجئے

بے تمیزی اہل زمان

از رہ فخر آ بگینہ سے یہ میرے نے کہا
جنس تیری کس پس اور قدر و قیمت تیری
دے کے دھوکا تو اگر الماس بنجائے تو کیا
مٹا کر آ بگینہ نے یہ میرے سے کہا
جُھ میں درجہ میں مگر کرسکتے ہیں جو امتیاز
تیرے جو ہر گو نہیں موجود اپنی ذات میں
ہو جو داسے بتدل تیرا برابر اور عدم
تیرے پائے کی خوشی کچھ اور نہ کم ہو نیک نام
امتحان کے وقت کھلچا تا ہر سب تیرا بھرم
گو کہ ہے رتبہ ترا مجھ سے بڑا ہے محترم
ہیں مقبل یہ اس بازا ر نا پسایں کم
تجھ سے لے الماس لیکن چھ پرستہ ہیں ہم

ایک خود پسند امیر زادہ کی تضحیک

کہتے ہیں اک امیر زادہ کو
خصلتیں جو امیر زادوں میں
گو کہ رکھتا تھا ہنس کوئی
کچھ نہ تھا۔ پر سمجھتا تھا سب کچھ
واہ واسنتے سنتے یا روں کی
الغرض ایک روز صبح سرائیں
مشق تیرا فگنی میں تھا مصروف
آکے دیکھا جو اک ظریف نے حال
تیر جتنے کمان سے چھوٹے
جا کے بھولے سے بھی نہ پڑتا تھا
تھا خدنگ انگنی کا شوق کہیں
لاڑی ہیں۔ وہ اس میں بھی سبقتیں
اس پہ تھا خود پسند اور خود میں
علم تیر و کہاں میں اپنے تئیں
ہو گیا تھا ہنس کا اپنے لہجے میں
جب کہ سچے ساتھ سب بھلا دیں قرین
کر رہے تھے خوشامدی سنجیدگی
دجہ تحنیں ہوئی نہ وہن لہجے میں
پائے سب بہا اصول ہے آئین
تیر۔ آماجگہ کے کوئی نسترین

ایسا جاتا تھا چھٹ کے سوتے شال ایک جاتا تھا چھٹ کے سوتے عین
 کچھ جو شوخی ظہر لیں کو سوجھی رکھ کے بالائے طاق سب تمکین
 خاک تو دے پہ جا کے ہو بیٹھا لوگ کرتے رہے چنان و چین
 ناوک انداز بولا چپلا کر دو کوئی تنجکو جنوں ہے اے مسکین
 یا تھا ہو کے گھر سے آیا ہے یا کہ دو بھر ہے تجھ کو جانِ حزین
 عرض کی چارہ کیا ہے اسکے سوا جبکہ جائے گریز ہو نہ کسین
 زور سے ان بے پناہ تیروں کی کہیں جان دار کو امان نہیں
 مجھ کو ہر ہر کے سسشست جہت میں حضور اسن کی اک جگہ ملی ہے یہیں

موجودہ پولیٹیکل اسپین

اے نرم سفیرانِ دَول کے سخن آرا ہر خور دو کلاں تیری فصاحت پیدا ہے
 یہ سچ ہے کہ بھاد وہی بیان میں کر لیکین کچھ سحر بیانی کا تری ڈھنگ نیا ہے
 ظاہر ہو نہ غصہ میں بیاں کی تری خوش نہ لطف میں کچھ طرز بیاں اس جدا ہے
 ہے ولین نہان ایک شکایات کا طومار اور لب پہ جو دیکھو تو نہ شکوہ نہ گلا ہے
 جو صلح کی باتیں ہیں ہیں شہد سی شیریں اور جنگ میں کچھ لطف سخن اس سے روا ہے
 گرسو چٹا تو سیکڑوں پہلو ہیں مفر کے اور سننے تو دنجیروں سے ہر قول بجا ہے
 دل کی تری ہوتی نہیں معلوم کوئی بات گونگا نہیں۔ گویا نہیں کیا جانیے کیا ہے
 کھلتا نہیں کچھ اسکے سوا تیرے بیان سے اک مرغ ہو خوش آج کہ کچھ بول رہا ہے
 تجھے لب پئے اظہار پہ اسباب آگے کھلا یہ انسان کو انخاک کے لئے لطفِ بلا ہے

بدی کر کے نیکنائی کی توقع رکھنی

نامنصف وبے رحم تھا ایک ضلع کا حاکم
ہر ماؤ سے نالائقی تھی بہت جگہ رعیت

جب دورہ کو اٹھتا تھا تو دیہات میں جا کر
تھا پوچھتا ایک ایک سے ازراہ شرارت
”ہین پرگنہ کے لوگ سمجھتے ہین کیسا؟“

کرتے ہیں ہماری وہ سائنس کہ مذمت؟
تھی اس کی مثال ایسی کہ اک شخص بد آواز

جس کو کہ خود آواز سے تھی اپنی کراہت
گاتا تھا کھڑا ہو کے اور آواز کے پیچھے

ہر بار لپکتا تھا بصد تیزی و سرعت
ہو۔ تاکہ یہ معلوم کہ ہے دور سے میری

آواز خوش آئند و یا تاباں نفرت

تفاخر سے نفرت کرنے پر تفاخر

زاہد نے کہا ”زینت و اسباب پہ لوگ اترتے ہیں۔ اک آنکھ مجھے وہ نہیں بھاتے“
حالی نے کہا ”جن کو ہوا اترنے سے نفرت اتر کے وہ اس طرح نہیں ناک چڑھاتے“

سید احمد خاں کی تکفیر

مختلف اقوال ہیں اسلام کی تعریف میں بعض کے نزدیک توحید اسکی حد تام ہے

ہے مگر جہوں کے نزدیک یہ مردود و قول جو میں قائل اسکے ان پر کفر کا الزام ہے
 کیونکہ اسے ماننا پڑتا ہے اس رحمت کو عام جسے غیر از اہل قبلہ جو یہ وہ ناکام ہے
 بعض کہتے ہیں کہ "نشر و تیر و سبائیں" ہیں بس مسلمانوں میں اسی کا نام ہے
 پر یہ حد بھی جامع مانع نہیں عند الفحول کہتے ہیں "اسلام جو سمجھ آستہ وہ خام ہے"
 ایمنی کا مستحق ہے خاص کر اپنا گروہ اور سب کا لفظ یا را عیار سب کو عام ہے
 بعض کہتے ہیں "شار اسلاموں کا ہر لباس جو لباس غیر پہننے خارج از اسلام ہے"
 بعض بتلاتے ہیں کچھ اور بعض فرماتے ہیں کچھ حصر کرنا ان تمام آرا کو مشکل کام ہے
 مذہب منصف ہو لیکن بیان کرنا ضرور جو مسلم آج کل نزدیک خاص عام ہے
 اہل حل و عقد ہیں اب متفق اس رگ پر سید احمد خاں کو کافر جانا اسلام ہے

قرض لیکر حج کو جانے کی ضرورت

قریب موسم حج - قرض لے کے اکیندا چلا بہ نیت حج - گھر سے سوئے بیت اللہ
 کیا یہ اس سے اک آزادانے کہ "ای حضرت دین میں چھوڑے کے اطفال کو بحال تباہ
 کہ قرض لے کے چلے میں حضور کو حجاز نہ نمان و نفقہ فرزند و زن سے خاطر
 سنایہ - اور بہت ترش ہو کے فرمایا کہ "روکنا ہے مسلمان کو حج سے ای گمراہ
 وہ بادشاہ کہ جو دشمنوں کو دیتا ہے نگہیں خاتم و طبل و نشان و تخت کلاہ
 نہ ہرگز گادو کیا اپنے میمانوں کی؟ پہونچتے ہو کہ میں طے کر کے بڑے بحر کی لہ
 جنہیں فراغت و تنگی میں ہو اسی کو امید جنہیں سلامت و آفت میں اسی کی پناہ

لے اتوال مختلفین سے جو قول راجح ہوا اسکو "مذہب منصف" کہتے ہیں ۱۲ حالی

وہ سن کے ہولاکہ مٹاؤں کو
 ذلیل ہوتے ہیں جو بن بلائے جاتے ہیں
 یس کے شیخ نے دیکھا ادھر ادھر کہ کہیں
 بلائے پاس پھر آہستہ اُس سے فرمایا
 قدم ہونچتے جانتک ہیں نچتے کاروں کے
 خدا کے حکم ہیں مبنی تمام حکمت پر
 نماز روزہ ہو یا ہبوط افسانہ و عمرہ و حج
 اسی طرح یہ وسیلے معاش کے ہیں کام
 مگر سلیقہ و تدبیر شرط ہے - ورنہ
 یہ کہنے سننے کی باتیں نہیں ہیں بر خور دار
 امید لطف کی کہانی جو میراں سے گناہ
 طفیلیوں کی نہیں عورتوں میں عزت جاہ
 ہمدی نہ جس میں یان کوئی ہمراہ
 ابھی زمانہ کی چالوں سے تو نہیں آگاہ
 جو آن خام کی دانتک نہیں پہنچتی نگاہ
 فتوح جنہیں ہی دنیا و دین کی خاطر خواہ
 حصول جیسے کہ ہوتا ہے اُن سے قریب کہ
 نہ جنہیں چاہیے محنت نہ کو مستشرق چاہے
 ہزاروں پھرتے ہیں حجاج سادہ لوح تباہ
 و گرنہ علم معیشت وسیع ہے دانشمندانہ

آزادی کی قدر

ایک ہندی نے کہا - حاصل ہر آزادی جنہیں
 قدر دان اُن سے بہت بڑھکر میں آزادی کے ہم
 ہم کہ غیروں کے سدا محکوم رہتے آئے ہیں
 قدر آزادی کی جتنی ہم کو ہوا اتنی ہے کم
 عافیت کی قدر ہوتی ہے معیبت میں سوا
 بینوا کو ہے زیادہ قدر دینا و درم
 تعرف الاشیاء بالاصداۃ ہے قول حکیم
 دیکھا قیدی سے زیادہ کون آزادی پہ دم
 یعنی ہر ایک چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے ۱۲

سُن کے اک آزاد نے یہ لاف چُکے سے کہا
”ہے شکر۔ موری کے کیڑے کے لئے باغِ ارم“

انگلستان کی آزادی اور ہندوستان کی غلامی،

کہتے ہیں ”آزاد ہو جاتا ہر جب لیتا ہر سانس
یاں غلام آکر۔ کرامت ہو یہ انگلستان کی
اسکی سرحد میں غلاموں نے جو ہیں رکھا قدم
اور کنگز پائوں کو ایک اک کے بیڑی گر پڑی“
قلبِ ہیت میں انگلستان ہو گزیمیا۔ کم نہیں کچھ قلبِ ہیت میں ہندوستان بھی
آن کر آزادیاں۔ آزاد رہ سکتا نہیں وہ رہے ہو کر غلام۔ اسکی ہوا جنگو لگی

سید احمد خان کی مخالفت کی وجہ

سید احمد خان کے اک منکر سے یہ پوچھا کہ آپ
کس لئے سید سے صاف ای حضرتِ الانہیں؟
کافر و ملحد ہمیشہ اُسکو ٹھیراتے ہیں آپ
نمازت اسلام اُسکا۔ نزدیک آپ کے گویا نہیں
آپ بھی (نام خدا) ہیں تارکِ صوم و صلوٰۃ
اور سلوکِ اسلام سے خود آپکا اچھا نہیں
خود نبوت پر سنے ہیں ہم نے ایراد آپ کے

۱۔ یعنی جطرح موری کے کیڑے کو موری میں آرام ملتا ہے اور وہاں سے کہیں جانا نہیں چاہتا۔
اسی طرح جو قومیں ہمیشہ محکوم رہتی چلی آئی ہیں وہ غلامی ہی میں خوش رہتی ہیں ۱۲۔

اور الوہیت سے بھی دل جمع حضرت کا نہیں

چشم بد دور آپ کا بھی جب کہ ہے مشرب وسیع

پھر یہ سید پر تبر آپ کو زیبا نہیں

سُج کے فرمایا نہ اگر ہو پوچھتے انصاف سے بات یہ ہو۔ سن لو صاحبِ تم کو کچھ پردہ نہیں
رُخ کچھ اسکا نہیں مجھ کو کہ وہ ایسا ہو کیوں؟ بلکہ ساری کوفت ہو اسکی کہ میں ایسا نہیں

قحط اہل اللہ

کُل خانقاہ میں تھی حالتِ عطاری جو تھا سو چشم پر دم۔ اپنا تھا یا پرایا
دُنیائے اٹھ گئے سب تھے مُردہ دق یہ کہ کے شمع کا دل بیباختہ بھرا یا
ہنے کہا۔ مرمی باقی رہی نہ پیری یہ کہ کے ہم بھی دے اور اُسکو بھی لایا

نو کروں پر سخت گیری کرنے کا انجام

ایک آقا تھا ہمیشہ نو کروں پر سخت گیر
در گذر تھی اور نہ ساتھ اُنکے رعایت تھی کہیں

بے سزا کوئی خطا ہوتی نہ تھی اُن کی معاف

کام سے مہلت کبھی ملتی نہ تھی اُن کے تئیں

حسنِ خدمت پر امانت یا صلہ تو ذکر کنار
نو کر کیا نکلتے جو پھوٹے منہ سے اُسکے آفریں

پاتے تھے آقا کو وہ ہوتے تھے جیساں سے دوچار

نتھتے پھولے۔ منہ چڑھا۔ اسٹھے پہ تل۔ بار بار چہیں

تھی نہ جُڑ تنخواہ نو کر کے لے کوئی مستوج

آگے ہو جاتے تھے خائن جو کہ ہوتے تھے امین
رہتا تھا اک اک شر اٹا نامہ ہر نوکر کے پاس

فرض جمیں نوکر اور آقا کے ہوتے تھے تعین
گر رعایت کا کبھی ہوتا تھا کوئی خواست گنا

زہر کے پیتا تھا گھونٹ آخر بجائے انگلیں
حکم ہوتا تھا ”شرایط نامہ“ دکھلا دہیں

تاکہ یہ درخواست دیکھیں واجبی ہے یا نہیں
واں سوا تنخواہ کے۔ تھا جس کا آقا ذمہ دار

تھیں کرین جتنی وہ ساری نوکر دیکھے ذمہ نہیں
دیکھ کر کاغذ کو ہو جاتے تھے نوکر لا جواب

تھے مگر وہ سب کے سب آقا کے مارا ستین
ایک دن آقا تھا اک منہ زور ٹھوڑے پر سوار

تھک گئے جب در کرتے کرتے دست نازنین
دفعۃً قابو سے باہر ہو کے بھاگا را ہوا

اور گرا اسوار صدر زمین سے بالائے زمین
کی بہت کوشش نہ چھوٹی پانوں سے لیکن کاب

کی نظر سائیس کی جانب۔ کہ ہوا کر معین
تھا مگر سائیس ایسا سنگدل اور بے وفا

دیکھتا تھا اور ٹس سے مس نہ ہوتا تھا العین
دور ہی سے تھا اسے کاغذ دکھا کر کہہ رہا

”دیکھ لو سرکار! میں شرط یہ لکھی نہیں“

نیشن کی تعریف

یہ ہے مانی ہوئی جمہور کی رائے
کہ نیشن وہ جماعت ہے کم از کم
مگر وسعت اسے بعضوں نے دی ہو
وہ نیشن کہتے ہیں اس پھٹ کر بھی
زبان اس کی نہ ہو معنوم اس کو
جو واحد لا شریک اس کا خدا ہو
اسی پر ہے جہاں کا اتفاق اب
زبان جسکی ہو ایک اور نسل و مذہب
ہیں جو اسے میں اپنی مذہب
کہ جس میں وحدت مفقود ہوں سب
ہوں آدم تک جدا سب کے جدا
تو لاکھوں اس کے ہوں معبود اور رب

صفائی نہ رکھنے کا عذر

راہ سے گذر اکیں میلا کھیلا اک غلام
عرض کی ایک اک داں ہو جن کا ایک غیر
جو ہیں آزاد اور صفائی کا نہیں کتھے خیال
کیونکہ جسم آدمی میں پیش اہل معرفت
اُسکے میلے پن پہ لوگوں نے ملامت اسکو کی
اختیار اسکی صفائی کا نہیں رکھتے ہی
عذر میلے پن کا شاید وہ بھی رکھتے ہوں ہی
کوئی چیز اس کی نہیں سب ہوا انت گوری

دلی کی شاعری کا تنزل

اک دوست نے حالی کے کما از رہ نصاف
چند اہل زبان جن کو کہ دعویٰ تھا سخن کا
شاعر کو یہ لازم ہے کہ ہوا اہل زبان سے
معلوم ہے۔ حالی کا جو ہے مولد و منشا
اردو کے دھنی وہ ہیں جو دلی کے ہیں ٹسے
”کر تے ہیں پسند اہل زبان اسکے سخن کو“
بولے کہ ”ہیں جانتے تم شعر کے فن کو
ہو چھو نہ گئی غیر زبان اس کے دہن کو
اردو سے بھلا واسطہ؟ حضرت کے وطن کو
پنجاب کو مس اس سے۔ نہ پورب نہ دکن کو

مبطل ہی کو معلوم ہیں انداز چمن کے
حالی کی زبان گربٹل بند لہن ہو
ہر چند کہ صنعت سے بنائے کوئی نانہ
مانا کہ ہے بیباختہ بن اسکے بیان میں
یہ دوست نے حالی کے سنی جبکہ نقلی
کچھ شعر تھے یا وہاں کے پڑھے اور یہ پوچھا
سچ یہ ہے کہ جب شعروں سرکار کے لیے
حالی کو تو بدنام کیا اس کے وطن نے
کیا عالم گلشن کی خبر زراغ و زعفران کو
خالص کہو تو کیجئے کیا لے کے لہن کو
پہونچے گانہ وہ نانہ آہوئے خن کو
کیا پھونکے اس ساختہ بیباختہ بن کو
حق کہنے سے وہ رکھ نہ سکا باز دہن کو
”کیوں صاحب اجرت اسی اردو سے ہون کو؟“
کیوں آپ لگے نانے حالی کے سخن کو
پر آپ نے بدنام کیا اپنے وطن کو“

بیٹیوں کی نسبت

جاہلیت کے زمانہ میں یہ تھی رسم آب
سنگدل باپ سے گود سے لیکر ان کی
رسم اب بھی یہی دنیا میں ہو جاری۔ لیکن
لوگ بیٹی کے لئے ڈھونڈتے ہیں جب پیوند
ایسے گہر بیابانے بیٹی کو جو ہوا سونہ
جانے پہچانے ہوں سمجھانے کے سار زونڈ
ایک ہی شہر میں ہوں دونوں گہرائے آباد
جیتے جی مر گئی بس ان کی طرف سے گویا
پہچان میں اسکی تو کرتے ہیں کہ گھر کیسا ہو
بدمزاجی ہو۔ جہالت ہو۔ کہ ہو بد چلنی
کہ کسی گھر میں اگر ہوتی تھی پیدا و خیر
گاڑ دیتا تھا زمین میں کہیں زندہ جا کر
جو کہ اندھے ہیں ہٹے کے نہیں کچھ انکو خبر
سب سے اول انھیں ہوتا ہے یہ منظر نظر
اور مرہ و مرہ سے جو ذات میں ہوا فضل تر
ان کے معلوم ہوں عادات و خصائل کیسے
دونوں نزدیک قرابت میں ہو باہد لیکر
جا کے پردیس میں بیٹی کو دیا بیابانہ اگر
پر نہیں دیکھتا یہ کوئی کہ کیسا ہو بڑ
کچھ بُرائی نہیں۔ ڈٹوتا ہوا ماد اگر

وہ پیٹا شدنی ریت ہی جس کے کارن بکریاں بھیرئیں سے پاتی ہیں تو یہ اکثر
جاہلیت میں تو مٹی اک ہی آفت کو پہنکاڑو بھائی مٹی بس خاک میں تنہا و خیر
ساتھ بیٹی کے مگر اب پدر و مادر بھی زندہ درگورس دارہتے ہیں اور خستہ جگر
اپنا اور بیٹیوں کا جبکہ نہ سوچیں انجام جاہلیت سے کہیں ہو وہ زمانہ بدتر

سید احمد خاں کی تصانیف کی تردید

اک مولوی کہ تنگ بہت تھا معاش سے
برسوں رہا تلاش میں وجہ معاش کی
وہ شہر نوکری کی ٹوہ میں پھرا
لیکن نہ اُس کے ہاتھ کہیں نوکری لگی
اجارہ بھی نکال کے بخت آزمائی کی
تدبیر یہ بھی اُس کی نہ تقدیر سے چلی
روزی کی خاطر اُس نے کئے سیکڑوں جتن
پر کی کہیں نصیب نے اُس کے نہ یاوری
راہ طلب میں جیب ہوئی سرگشتگی بہت
اک خضر پے نچتے نے کی آکے رہبری
جھک کر کہا یہ کان میں اُسکے کہ آج کل
نشنا ہوں چھپ رہی ہو تصانیف احمدی
جا۔ اور لفظ لفظ کو اس کے چھپیٹ کر
تردید اس کی چھاپ دے ہو برسی بھلی
پھر دیکھنا کہ اس وچپ وگر دو پیش سے

لگتی ہے کیسی اس کے زردوسیم کی بھڑی

دنیا طلب کو چاہئے ابد فریب ہو
دُنیا پہ جب تلک کہ مسلط ہے ابدی

یقین

آتی نہیں ہے شرم تجھے ای خدا پرست
دل میں کہیں نشان نہیں تیرے یقین کا
جی میں ترے ہزاروں گزرتے ہیں سو سے
ہوئی نہیں قبول تری ایک اگر دُعا
تجھ سے ہزار مرتبہ بہتر ہے بت پرست
جس کا یقین ہے تیری یقین سے کہیں سوا
وہ مانگتا ہوں سے مُرادیں ہے عمر بھر
گو حاجت اُس کی اُن سے ہوئی ہو نہ پروا
اتنا نہیں یقین میں اُس کے کبھی تصور
اُمید اسکی روزِ فزون ہے اور البتہ
تو بندہ عرض ہے۔ وہ راضی رضا پہ ہے
وہ ہے کہ یہ ہے بندگی ۹ اے بندہ خدا

استفادہ

لیجئے بھیک دوڑ کر گرہے گا اگر کسی کا یہ
جس سے ملے جہاں ملے جو ملے اور جب ملے
ہے یہی اصل کتاب۔ ہو جے سب مستفید
ذک ملے۔ یا نزل ملے۔ درس ملے۔ ادب ملے

لائق آدمی دوست اور دشمن دونوں سے فائدہ

اٹھائے ہیں

قول ایک حکیم کا ہے کہ ”اگر غور کیجئے
ہے حق میں سب کے دوست دشمن معین تر
اول تو سوچتا ہے، نہیں عیب دوست کو
اور سوچتا ہے تو نہیں لاتا زبان پر

پرا ایک بار دشمن اگر دیکھ پائے عیب
دشمن سے بڑھ کے کوئی نہیں آدمی کا دوست
اور دوست سے زیادہ نہیں کوئی بد سنگل
رکھتا ہے جو کہ دوست کر عیب اس سے مستمر
گو قول ہے متین پر جو تھی سخن کی تہ
افسوس ہے حکیم کی پہونچی نہ واں نظر
دشمن کے جو کہ طعن سے ہوتے ہیں متفید
عیب انکے دوست کیوں نہ بجا نیگے بے خطر
اور جو کہ دوست نہیں سن سکتے اپنے عیب
وہ دشمنوں کے طعن سے کیا ہونگے بہرہ ور
جن کو خدا نے جوہر قابل دیا ہے یاں
موقوف عبرت انکی نہ دشمن نہ دوست پر

سخن سازی

ہے مرد سخن سازی دُنیا میں عجب چیز
پاؤ گے کسی فن میں کہیں بند نہ اس کو
موجود سخنگو ہوں جاں اں ہیں طبع پ
اور جاتے ہیں بن آپ طبعیوں میں سخنگو
دونوں میں کوئی نہ تو آپ ہیں سب کچھ
پر پتہ ہیں جس وقت کہ موجود ہوں تو نہ

عادت کا غلبہ عقل پر

دیکھ عادت کا تسلط میں نے عادت کہا
گھیر لی عقل صواب اندیش کی سب تو نے جائے
ہینکے عادت کہا کیا عقل ہے مجھ کو لگ
میں ہی بجاتی ہوں نادان فتنہ عقل و رائے

شعرا کو سلطنت میں دخل دینا

سنتے ہیں یہ اک مدبر کی کوائے
تجاہے گر رونقِ علم زباں

شاعروں کو سلطنت کا کیجے رکن
جنہ اسکی سب کامیں ہیں عیان
راے صائب ہی بظاہر اور مبین
گو کیا اس کا نہیں کچھ امتحان
شعرواںشا کو تو ہو شاید فرغ
ہے بہت کم برخلاف اس کے گمان
سلطنت کا پر خدا حافظ ہی۔ جب
شاعروں کے ہاتھ ہو اسکی عثمان
اور جو وہ شاعر ہیں ہندوستان کے
شعرواںشا کو بھی ہے خوفِ زیان
ایک پر انہیں سے چل سکتا نہیں
دوسرے کا جادوئے حسن بیان
ایک جب چلنے نہ دیکھا ایک کی
پھر تری شعرواںشا کی کمان؟

لوگ کسی کی خوبیاں سن کر اتنے خوش نہیں ہوتے جتنے کہ اُسکے

عیبِ منکر

اپنے عیبوں کے ہیں ہم جتنے کہ ممنونِ حالی

اس قدر خوبیوں کے اپنے نہیں شکر گزار

لوگ جب عیب ہمارا کوئی سن پاتے ہیں

گو کہ کرتے ہیں تاسف کا بظاہر اظہار

پر خوشی کا ہے یہ عالم کہ ہو رنج اُن کو کمال

گر نصیبوں سے وہ افواہ غلط پائے قرار

اور جو ہو گوشِ زد اُن کے کوئی خوبی اپنی

خوش تو ہوتی ہے بنانی اُنہیں صورتِ ناچار

دل میں ہوتا ہے مگر غم کا یہ عالم اُنکے

کہ ملال اپنا چھپا سکتے نہیں وہ زہنِ سار

رشدِ احمد کہ مخاویق کے خوش کرنے کا

نفس میں اپنے ہر سامان بہت کچھ تیار

شایستہ لوگوں کا برتاؤ سائل کے ساتھ

عادت تھی اک فقیر کی کرتا تھا جیب ال
بیت تک اسکی جیب یہی دیکھی گئی روش
بولاکہ عادت اس لئے کی ہے یہ اختیار
پہلے جو بھاگوں سے ملتی تھی روز بھیک
پر جب یہ سوال کا اس قوم پر مدار
امید ہے کہ انگنے کی ٹھوٹ جائے لت
آیا جواب سن کے یہ اس کا بہت پسند
نیٹو ہیں جو کہ ملک میں تعلیم یافتہ
انگریز اگر یہ ہندو کی حق میں ہمیں
پر جو کہ دیسیوں میں ہیں تسلیم یافتہ
انگریز اتنے انجیبوں سے نہیں نفور
اہل غرض یہ کاٹنے کو دوڑتے ہیں یہ

انگریز کے سوانہ کسی سے تھا انگست
پوچھا کسی نے اس سے کہ اسکا سبب کیا
چھٹ جائے تاکہ مجھ سے یہ لپکا سوال کا
اتنا تھا انگنے میں بہت بھیک کے مزا
منت سے بچر سے کبھی ملتا نہیں ٹسکا
گر چند روز اور رہا ان سے سابعہ
کی آفرین اور اس سے مخاطب کیا کہ
حق میں ترے مفید ہیں یہ ان سے بھی ہوا
اہل وطن یہ ان کی مگر جان ہے ہندا
دل بھائیوں پہ بھی نہیں ان کا پسچتا
جتنے کہ یہ عزیز عزیزوں سے ہیں خفا
شایستگی کا زہر ہے جب سے انھیں چٹھا

اسراف

ایک سرف نے یہ ٹیک سو کہا
تو جوئوں رکھا ہوا دولت جوڑ
ہنکے ٹیک نے کہا اے سادھو
آج ہی گویا (نصیب دشمنان) آپ کا دنیا سے ہے عزم سفر

پاس نیکنامی

اے نیکنام شکر کراشد کا ادا جس نے بنایا نیک تجھے کر کے نیکنام
ہونا اگر نہ پاس تجھے نام نیک کا پھر دیکھتے کہ کرتا ہے تو کیسے نیک کام
حاشا کہ تجھ کو خوف خدا کا ہو اس قدر جتنا کہ خوف طعنہ و تشنیع خاص عام

غزور نیکنامی

گئی ہے حد سے گذر شیخ کی بکونامی گمان بد کبھی اُس کی طرف نہیں جاتا
جو اُسکے عیب قسم سے بیان کرے کوئی خود اُسکو عیب کا اپنے یقین نہیں آتا

کالے اور گورے کی صحت کا ٹیکل امتحان

دو ملازم - ایک کالا اور گورا دوسرا دو سر اپیل - مگر پہلا سوار رہا ہوا
تھے رسول سر جن کی کوٹھی کی طرف نور دیا کیونکہ بیماری کی رخصت کے تھو دو زخموں سنگا
راہ میں دونوں کے باہم ہو گئی کچھ بہشت مشیت کو کد میں گالے کی اک ٹھکا دیا گورے نے مار
حد سے پہنچا جس سے تلی کو بہت مسکین کی آگے گھوڑے سے لیا سائیس نے اُسکو اتار
ٹوک کر کالے کو گوتے نے تو اپنی راہ لی چوٹ کے صدر سے عرش کالے کو آیا چند بار
آخر میں کوٹھی پہ پہنچو جا کے دونوں پیش دیں منار بیاپنے پاؤں اور مضروب ڈولی میں سوار
ڈاکٹر نے آگے دوڑوں کی سنی جیب سرگشت تہ کو جا پہنچا سخن کی سن کے قصہ ایک بار
دی سنا گورے کو کدھ تھی جس میں تصدیق من اور یہ کھاتا تھا کہ سائل ہو بہت زار و نزار
یعنی اک کالا نہ جس گورے کے کتے سے مر کہ نہیں سکتا حکومت ہند پر وہ زینہ را
اور کہا کالے سے ”مکمل نہیں سکتی سند کیونکہ تم معلوم ہوتے ہو بظاہر حبا نثار

ایک کالائٹ کے جو گھٹے سی فوراً مر جائے اُسے بابا اس کی بیماری کا کیونکر اعتبار؟

خود ستائی

ایدل! بشرہ کون ہی جو خود ستا نہیں؟ پر خود ستائیوں کے ہیں عذراں جبراً
 جو زیورِ خود سے معرا ہیں سادہ لوح کرتے ہیں خوبیاں وہ بیاں اپنی ہر ملا
 جہان سے تیز بوش ہیں سو سوطح سے وہ پر دوں میں کرتے ہیں اسی مضمون کو ادا
 کتاب کی ایک سی حاقہ ہوئی ہے آج کبھی تھا ایک گھر میں سو سائل کو دیدیا
 کتاب ہے دوسرا کہ گیا ہو کے منفصل سائل کی ڈب میں مینے دیا مال جب دکھا
 پردہ میں زیر کی کے چھپاتا ہے بخل یہ اور بن کے بیوقوف جاتا ہے وہ سخا
 کچھ۔ اس لئے کہ ہم بھی انہیں ہیں ہوں شمار اہل وطن کی اپنے بہت کرتے ہیں ثنا
 کچھ۔ اس لئے کہ اپنا ہوا انصاف آشکار کرتے ہیں اپنی قوم کی تنقیص جا تجب
 کتاب ہی ایک۔ لاکھ نہ اسنے بڑا کوئی ہے عیب صاف گوئی کا ہم میں بہت بڑا
 کتاب ہے ایک۔ گر ہے خوشامد کا اور ہی پڑچاتے آدمی کو کہ کہہ کے ہم بڑا
 دھوکا ہنر کا دے کے چھپاتا ہی عیب یہ اور مٹھ سے دڑو کہہ کے دکھاتا ہے وصف
 چپ چاپ سن رہا ہی کوئی اپنی خوبیاں یعنی کہ یہ بیان ہے سب است اور بجا
 کتاب ہی اس پہ کوئی کہ سب حسن ظن ہی یہ اک خاکسار کو جو دیا تم نے توں بڑھا
 قانع ہے وہ انہیں یہ۔ ہوئے وصف بیاں اور چاہتا ہے یہ کہ ہو تعریف کچھ سوا
 کتاب ہی زید۔ عمرو ہے شدت سے سادہ لوح گستا ہے سب کو نیک وہ۔ اچھا ہو یا بُرا
 کتاب ہی عمرو۔ زید بھی کتاب ہے عیب میں بد ہو کہ نیک۔ اُسکی زباں سے نہیں بجا
 یہ اس کا اور وہ اسکا بیان کہ کے کوئی عیب ہر اک ہی اپنی اپنی بڑائی نکالتا
 غیبت۔ امید ہے کہ نہ ہوتی جہان میں ہوتا اگر یہ خاک کا پتلا نہ خود ستا

حالی جو پرے کھول ہے میں جہان کے شاید کہ اُس سے آپ کا ہوگا یہ درس
یعنی کہ لاکھ پردوں میں چھپائے عیب اپنی نظر سے رہ نہیں سکتا کبھی چھپا
الفصلہ جسکو دیکھئے جاہل ہو یا حکیم آزار میں خودی کے ہے بیچارہ مبتلا

حکمہ نفس

ہم سمجھتے تھے کہ نفس دوں ہمارے بس میں ہے
گر کبھی حکمہ پہ اُس کے غالب آجاتے تھے ہم
پر جو دیکھا غور سے وہ بھبکیاں تھیں نفس کی
جن کو نادانی سے علم اُسکے ٹھیراتے تھے ہم
جب کیا حکمہ دیئے سب عقل نے ہتھیار ڈال
زور بازو پر ہمیشہ جس کے اتراتے تھے ہم

جس قوم میں افلاس ہو اُس میں بخل اتنا بد نما نہیں جتنا

اسراف

حالی سے کہا ہے کہ ہر اس کا سبکیا جب کرتے ہو تم کرتے ہو مسرف کی مذمت
لیکن بخلاف آپ کے سب اگلے سخنور جب کرتے تھے کرتے تھے بخلوں کو ملامت
اسراف بھی مذموم ہے۔ پر بخل سے کمتر ہے جس سے کہ انسان کو بالطبع عداوت
حالی نے کہا روکے نہ پوچھو سب اسکا یاروں کے لئے ہے یہ بیاں موجب رقت
کرتے تھے بخلوں کو ملامت تلف اُفت جب قوم میں افراط سی تھی دولت و ثروت
وہ جانتے تھے قوم ہو جس وقت تو نگر پھر اسیں نہیں بخل سے بدتر کوئی خصلت
اور اب کہ نہ دولت ہی نہ ثروت ہی اقبال گھر گھر یہ ہے چھایا ہوا افلاس و فلاکت

ترغیب سخاوت کی ہے اب قوم کو ایسی پرداز کی ہر چیزوں کو جیسے ہر ایت

روسائے عہد کی فیاضی

کی رئیس شہر کی تعریف یاروں نے بہت

برسبیل تذکرہ باہم جو ذکر اس کا چلا

بولے "آج اس کا نہیں ہمان نوازی میں نظیر

عالمان شہر مدعو اس کے رہتے ہیں سدا

صانع کے حکام کا ادنے اشارہ چاہیئے

پھر کوئی دیکھے سخاوت اس کی اور بذل عطا

یادگاریں جتنی ہیں اعیان دولت کی نہیں

آئیں صرف اسکی رقم ہے سب کے چند سوسوا

پالکی یا وگنیٹ ہے جو سواری اس کے پاس

اہلکاروں کے لئے ہر وقت بے چون و چرا

کیا کلکٹر کیا کسٹریکٹ کیا سپاہی کیا عیش

اس کی تہمت کے ہیں سب مذاہر بے تدویرا"

جب یہ دیکھا مدح کا دفتر نہیں ہوتا تمام

جوڑ کر ہاتھ۔ اُن سے حالی نے بصدیئت کہا

غیب بھی اس کا کوئی اسخ نہ کرو یا رو بیاں

نئے نئے خوبیاں جی اپنا مسئلہ لگا

ایمان کی تعریف

فقیر شہر نے ایمان کی جو تعریف تو دی "پراغ سے اُسکو بہ قباب مثال
کہا" فقیر اقرار باللسان ہے ضرور جہاں ہو آتش تصدیق و روغن اعمال
کہا کسی نے کہ نکلا ہے اندوں کی تیل نہ نہیں ضرور فقیر کا جس میں استعمال

برکتِ اتفاق

کہہ رہا تھا یہ اک آزاد کہ ہے جنیں ملاپ دولت و بخت ہی ہر حال میں اُنکے ہمراہ
نہ انہیں حاجتِ اعوان نہ تلاشِ انصار نہ انہیں خوفِ باندیش نہ سیمِ بہ خواہ
پر نہیں رابطہ جس قوم میں اور یک جہتی اُسکی دُنیا سے یہ سمجھو کہ گئی عزت و جاہ
نہ ملاؤ اُن کے لئے قلعہ نہ خندق نہ فیصل نہ مفید اُن کے لئے فوج نہ لشکر نہ سپاہ
ایک ملائے سنا جب یہ سخن سنایا تکیہ اور اس قدر اسباب پہ کرنا ہے گناہ
اتفاق اور نفاق اصل میں کچھ چیز نہیں دستِ قدرت کے ہر سب ہاتھ سفید و سیاہ
واں نہ ملت کی ضرورت ہی نہ کچھ چوکاڑ پڑ گئی فضل کی مولا کے جد ہر ایک نگاہ
کہا آزاد نے سچ ہے کہ وہ دوسرے ساتھ اگر کردیں افراد پر آگندہ - جماعت کو تباہ
پر مجھے خوب ہے اللہ کی عادت معلوم اُسکو جب دیکھا ہے دیکھا ہی جتوں کے ہمراہ

بعدِ صوری مانعِ قربِ معنوی نہیں ہے

حالی نے جو رہنے کے لئے شہر میں اک گھر

سلہ یعنی کر دین اہل جو بغیر تہی کے بھی جل سکتا ہے - گویا مجیب کے نزدیک اقرار باللسان یا

کی تعریف میں داخل نہیں ہے -۱۲-

جا اپنے محلہ سے کمیں دور بنایا
 جب اہل محلہ سے چلا ہو کے وہ رخصت
 دل دردِ جُدا لئی سے عزیزوں کا بھرا
 ہمایہ واجباب لگے کرنے سب افسوس
 اک دوست شکایت سے سخن لب پہ یہ لایا
 ”بتی کہ جو بے عقل ہے دم دیتی ہے گھر پر
 اتنی بھی محبت تمہیں گھر سے نہیں آیا؟“
 حالی نے کہا ”اٹس ہے چیز اور۔ وفا اور
 بتی نے مزا پھل کا وفا کے نہیں پایا
 اُس مرد وفا کی نہیں بتی پہ بڑی پھٹ
 کتنے نے ہے جس کا کہ سبق ہم کو پڑھایا
 ہم غش ہیں مکینوں پہ وہ عاشق ہے مکاں کی
 گھر بھول گئے ہم تو نہیں تم کو بھلا دیا
 گھر دل میں ہو یاروں کا تو پھر گھر ہے برابر
 مشرق میں بنایا ہو کہ مغرب میں بسایا“

ناصح مخلص اور اہل غرض میں تمیز

منصور نے یہ جعفر صادق سے عرض کی
 کرتے رہیں اگر آپ کرم مجھ پہ گاہ گاہ
 ہوتا رہوں گا پسند سے حضرت کی بہرہ دہ
 لائیں گے وہ نہ حرفِ نصیحت زبان پر
 صحبت میں بیٹھنے سے کرینگے تری حذر
 اور جن سے ہوا امید نصیحت وہ بالیقین

خادمِ آفا کی خدمت میں کیوں گستاخ ہو جاتے ہیں؟

کہتے ہیں خادمِ ماموں کے بہت گستاخ تھے ایک خادم کی گستاخی پر ماموں نے کہا
 ”کوئی آفا جبکہ خوش اخلاق ہوتا ہے بہت پیش خدمت اس کے باخلاق ہوتے ہیں سدا“
 پر جیسے پوچھو تو ہونا خادموں کا شیخ جستم ہو دلیل اسکی کہ ہو خود خلق آفا کا بُرا
 کھو دیا ہیبت کو اپنی جس نے اور تکلیں کو اُس نے گویا ڈھایا رکن رکن اخلاق کا

خوشامد کرنے کی ضرورت

مستعمل کا تیر چڑیا پر ہو گیا اتفاق سے جو خطا
 ابنِ حمدوں ندیم تھا حشر کی خلیفہ کی لوح اور یہ کہا
 ”جن کو خلق خدا شہادت ہے خوں بہانا نہیں رہے کہتے سدا
 جانہ سکتی تھی نیک کو تیرے ہ تو نے دی قصدا اسکی جان بچا“
 ابنِ حمدوں نے کی یہ انائی کہ خوشامد سے یوں سے تھیکا
 دور تھا در نہ کیا خلیفہ سے ہو کے اپنی خطا سے کھیا نا
 جائے کنجک ابنِ حمدوں پر تیر کا اپنے امتحاں کرتا
 ابنِ حمدوں کی جان جاتی دل تو ہوتا خلیفہ کا ٹھنڈا

رعیت پر نا اہل کو مسلط کرنا

ہا راون نے کہا مصر لگا ہاتھ جبا کے فرعون کا تھا مصر ہی نے مغر چلایا
 وہ خطہ ملعون تھا یہی جس کی بدولت تھا دل میں خدائی کا خیال اُس کے سمایا
 میں بھی اُسے اُن باغی طاعنی کے علی الرغم اک بندہ بقیہ کو بخشش کا خدا دیا نا

کہتے ہیں خضیب ایک غلام حبشی تھا
 کی سلطنت مصر کی باگ اُسکے حوالے
 باڑھی گئی بہ ایک برس نیل کی کڑویں
 فرمایا کہ "رودی کی جگہ بوسے اگر اُون
 ہارون نہ سمجھا کہ ددیت ہے خدا کی
 فرعون کی مانند اگر وہ بھی سمجھتا
 جو کھوں میں نہ یوں ڈالتا مخلوق کو اپنی
 حکوم ہے جویری رعایا و برایا
 اپنے کو خدا جس نے ہے عالم کو بنایا
 اک سفلہ ناکس کی بنا اُس کو رعایا

ریشک

ظاہر مردوں کی طینت میں نہیں ریشک اسقدر
 ہے طبیعت میں وہ جتنا عورتوں کی جاگرین
 ایک شہزادی کہ اکلوتی تھی جواں باپ کی
 تخت شاہی پر ہوئی بعد از پدرسند نشین
 سلطنت میں اسکی۔ تمام مردوں کو کئی اختیاء
 عورتیں اصلاً و خیل اس کی حکومت میں تھیں
 مرد ہی تھے اُسکے محرم۔ مرد ہی اس کے مشیر
 تھانہ عورت کا پست دربار میں اُسکے کہیں
 تخلیہ میں ایک دن جب چند حاضر تھے ندیم
 ہنسن کے فرمایا کہ "اے دولت کے ارکان کہو
 مرد ہونے کے سبب تم سے نہیں مانوس میں
 بلکہ ہے انہی اسلئے تم سے کہ تم عورت نہیں"

بات کی۔ حسن بیان سے اُس نے وہی صورت بدل
 تاکہ کوئی سوزن اس پر نہ کر بیٹھے کہیں
 ورنہ یوں کہتی کہ ”ہے عورت کی سیرت سے مجھو
 اس لئے نفرت کہ جو مردوں کی صورت دلنشین“

قانون

کہتے ہیں ہر فرد انسان پر ہی فرض
 پر جو بیچ پوچھو۔ نہیں قانون میں
 اس میں بھنس جاتے ہیں جو کمزور ہیں
 پر اُسے دیتے ہیں توڑاک آن میں
 حق میں کمزوروں کے ہے قانون وہ
 اور تظریں زور مندوں کی ہے لا

شاہی قبل از وقت بلوغ

جب تک نہ شانہ زودہ اٹھا رہا سال کا ہو
 قانون ہے بنایا یہ اُن مقننوں نے
 لیکن کریں نہ اس کی قبل از بلوغ شاہی
 نزدیک اُن کے گویا برزخ عقل و دانش
 تختِ پدر پر اُس کو ممنوع ہی بٹھانا
 عالم میں آجکل جو مانے ہوئے ہیں دانا
 کہتے ہیں وہ عبث ہی قانون یہ بنانا
 ہے گنگدیم سے آساں میڈم کو بس میں لانا

حرص

انتہائے وعظ میں ہے تکیہ کلام و اعط
 گویا کہ حرص اسکی اس سے بھی نہیں ہے
 ”قدرِ قلیل ہے سب مال و منال دُنیا“
 ہے جقدر فراہم پائے اُسکے مال دُنیا

اُمرا اور عقلاء

جاتے ہیں اگر پاس امیروں کے خرمندہ وہ جانتے ہیں جو کہ ہر جانے کی ضرورت
پر۔ اپنی ضرورت سے خبردار نہیں ہیں ملتے عقلاء سے نہیں جو صاحب ثروت
بیمار کے محتاج ہیں جتنے کہ اطباء بیمار کو کچھ اس سے سوا اُن کی ہر حاجت

عصمت بی بی ازبے چادری

اے بیواؤ! ہنتے ہو کیا منعموں پہ تم اخلاق میں کچھ اُن کے اگر آگیا بگاڑ
تم زو سے نفیس کی ہو چھی تک نہ پئے ہوئے ہو جب تک کہ پکڑے ہوئے مفلسی کی آڑ
اسباب جو کہ جمع ہیں منعم کے گرد و پیش گر تم کو ہوا نصیب تو دنیا کو دوا جاڑ

سچ کہاں ہے؟

دیکھنے ہوں تمہیں گر جھوٹ کے انبار لگے
دیکھ لو جا کے خزانوں میں کتب خانوں کے
سچ کو تحریروں میں پاؤ گے نہ تقریروں میں
سچ کہیں ہے تو وہ سینوں میں ہو انسانوں کے

اپنا الزام دوسروں پر پھوپھنا

ٹھوٹ کا ریکر سے جب کوئی بگڑ جاتا ہے کام
اپنے اوزاروں کو وہ الزام دیتا ہے سدا
افسروں کا بھی یہی شیوہ ہے دقت باز پرس

اپنے ماتحتوں کے سریتے ہیں پھوپ اپنی خطا

خوشامد کے معنی

خوشامد کرتے ہیں آپ کے جو لوگ تمہاری ہر دم اسے اربابِ دولت
خوشامد پر نہ اُن کی بھولنا تم وہ گویا تم کو کرتے ہیں ملامت
کہ جو ہم نے بیاں کیں خصلتیں نیک نہیں اُنہیں سے تم میں ایک خصلت

تدبیر قیامِ سلطنت

تدبیر یہ کستی تھی کہ جو ملک ہو مفتوح وہاں پانوں جانے کے لئے تفرقہ ڈالو
اور عقلِ خلافت اس کے تھی یہ مشورہ دیتی یہ حرفِ سبک بھول کے منہ سے نہ نکالو
پر۔ رائے نے فرمایا کہ جو کستی ہے تدبیر مانو اسے۔ اور عقل کا کتنا بھی نہ ڈالو
کرنے کے ہیں جو کام وہ کرتے رہو لیکن جو بات سبک ہو اسے منہ سے نہ نکالو

مرد اور عورت کی حکومت کا فرق

پوچھا کسی دانا سے سبب کیا ہے کہ اکثر مردوں کی حکومت میں ہر ملکوں کی برکت
لیکن خلافت اس کے ہو عورت کا جہاں آج وہاں ملک ہو سرسبز اور آباد رعیت؟
فرمایا کہ ہوتے ہیں جہاں مرد جہاں اور قبضہ میں ہو وہاں عورتوں کی دولت و کمالت
اور سر پر ہے عورت کے جہاں انسرِ شاہی سمجھو کہ ہر اس ملک میں مردوں کی حکومت

مغزور کی پہچان

غزورِ زید کی کرتا ہر گشت کا میت عمرو تو سمجھو کرتا ہے اپنے غزور کا اظہار

جنوں آپ کو سب سمجھ لیا ہے بڑا بڑائی دیکھ نہیں سکتے غیر کی زہار

کام اچھا کرنا چاہیے نہ جلد

کام اچھا کوئی بن آیا اگر انسان سے اس نے کی تاخیر اس نے جعفر راچھا کیا
کب کیا کیونکر کیا یہ پوچھا کوئی نہیں بلکہ میں یہ دیکھتے جو کچھ کیا کیسا کیا؟

گدا کے مہم

ایک برہمن مورتی کے سامنے باصدا ز
مانگتا تھا ہاتھ پھیلائے دُعا بیٹھا کہیں

آن نکلا بانوا اک مانگتا کھانا ادھر
دیکھ محویت برہمن کی گیسابں جم وہیں

جی میں آیا چھٹر کر فائل برہمن کو کرے
تاکہ ٹوبے کچھ نہ کچھ یاروں کو ہو کر شرگیں

مورتی کے سامنے جب کر چکا وہ التجا
بانوا بولا کہ ہے ”تو بھی عجب کوتاہ ہیں“

مورتی کچھ جگہ دے گی اور نہ دے سکتی ہو وہ
ناحق اتنی التجائیں اس کے آگے تو نے کیں

ہنس کے برہمن نے کہا ہے مانگنا بندہ کا کام
دے نہ دے وہ اس سے کچھ مطلب نہیں پوچھیں

ہم نہیں دیتے ڈھسی تم جیسے ڈھیٹوں کی طرح
ہاتھ پھیلاتے ہیں لیکن پاؤں پھیلاتے نہیں

بے اعتدالی

تم اسے خود پرستو طبیعت کے بندو
نہیں کام کا تم کو اندازہ ہر گز
جگہ کانے بجانے پہ آئی طبیعت
جو مجھ سے میں بیٹھو تو اٹھو نہ جب تک
اگر بل پڑے چوسہ اور گنجنہ پر
پڑا مرغ بازی کا لپکا تو جانا
پڑھا بھوت عشق و جوانی کا سر پر
جو ہے تم کو کھانے کا چسکا تو سمجھو
جو پیئے پہ آؤ تو پی جاؤ اتنی
جو کھانا تو بھیج دینا تو آٹ گت

ذرا وصف اپنے سونو کان دھر کے
جدھر ڈھل گئے۔ ہو رہے بس دھر کے
تو جھج اٹھے دو دن میں ہمارے گھر کے
کہ اٹھ جائیں ساتھی سب ایک کر کے
تو فرصت ملے شاید اب تم کو مر کے
کہ بس ٹھن گئے غم جنگ تتر کے
تو پھر گھاٹ کے آپ میں اور نہ گھر کے
کہ چھوڑیں گے اب آپ دوزخ کو بھر کے
رہیں پاؤں کے ہوش جہنم سر کے
غرض یہ کہ سرکار میں پیٹ بھر کے

طیب اپنے پیاروں کے مرنے پر مغموم کیوں نہیں ہوتے؟

بشر کے صدمے ہوتا ہے ہر بشر کو ملال
یہ صدمہ گر غلطی سے کسی کی پڑتا ہے
یہی سبب ہے کہ ہوتے نہیں طیب ملول
وہ جانتے ہیں کہ تھپ جائیگی خطا ہم پر

کہ ایک جڑ کی ہیں سب ٹہنیاں صغار و کبار
تو اور بھی اُتے دیتا ہے انفعال فشار
جو چل بسے کوئی اُن کے علاج میں ہیا۔
کیا ملال کا اپنے گمراہ جگہ اٹھا۔

۱۵ یعنی پیٹ بھر کے احمق۔ احمق کا لفظ اکثر اس مقام پر عذرت کرتے ہیں گویا مخاطب کے سوا
کسی پر اس کی حماقت ظاہر کرنا نہیں چاہتے ۱۲

اپنی ایک ایک خوبی کو بار بار نظر اہر کرنا

گو آدمی کا حافظہ کیسا ہی ہو قوی ہو تا ہے اس سے کار نمایاں کوئی اگر
پر بھول چوک ہے بشریت کا مقتضا کرتا ہے بار بار بیان اسکو بر ملا
یہ تو وہ بھولتا نہیں ہرگز کہ چاہیے ہر بار اپنی مدح کا پیرایہ اک جدا
پر اتفاق سے نہیں رہتا یہ اسکو یاد یاروں سے میں بیان ابھی کر چکا ہوں کیا
بھولے نہ اپنی یاد پر انسان کو چاہیے آخر بشر کا خاصہ ہے سہوا اور خطا

فضول خرچی کا انجام

سرے پر راہ کے بیٹھا تھا اگ لہ اٹو ظریف جہاں سے ہو گئے گذرتے تھے سب صغیر و کبیر
ہر اک سی ایک درم مانگتا تھا بے کم و بیش سخی ہوا میں کہ نمٹیک غریب کہ امیر
فضول خرچ تھا بستی میں ایک دولت مند کہ جھکا تھا کوئی اسراف میں نہ شبہ و نظیر
ہوا جو ایک دن اس راہ سے گذرا اسکا درم اک اس نے بھی چاہا کہ کیجے نذر فقیر
کہا فقیر نے مدگو اپنی یہ نہیں عادت کہ لیں درم سے زیادہ کسی سے ایک شحیر
پہ لوں گا آپ سے میں پانچ کم سے کم دینار کہ دولت آپ کی پاتا ہوں میں زوال پذیر
یہی آتے ملتے رہے تو آپ کو بھی ہماری طرح سے ہوتا ہے ایک و ز فقیر
سو وقت ہی رہی لینے کا خود بدولت سے دکھائے دیجئے پھر اسکے بعد کیا تقدیر

اختلاف مذاہب رفع نہیں ہو سکتا

غیر ممکن ہے کہ اٹھ جائے دلیل و بحث سے

جو چلا آتا ہے باہم اہل مذہب میں خلاف

ہو نہیں سکتا مطابق جبکہ دو گھڑیوں کا وقت
سرف ہو سکے ہیں پھر کیونکر ہزاروں اختلاف؟

انسان جو اشرف المخلوقات ہے سب زیادہ مودِ آفات ہے

دل پہ جو کیفیتیں ہیں ناگوار
ایک فکر اس آنے والے وقت کی
دوسرے چوٹیں زبانِ خلق کی
اور بھی جو ان ناطق کے لئے
پرگدھے اور اور حیوانات سب
کیسا ان آلام سے رہتا بچنت
دو ہیں انہیں سے نہایت جاگزا
شک نہیں ہے جبکہ آنے میں فرا
زخم جن کا زخم ہم تو مار کا
ہیں بہت سی رحمتیں انکے سوا
رہتے ہیں دور ان گزندوں سوا
اشرف المخلوق اگر ہوتا گدھا

چند وبازی کا انجام

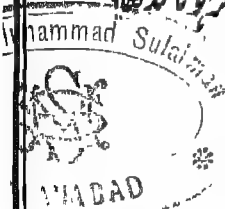
ایک متوالے سے چند وکے وہ تھا ہوش میں جب
پوچھا نا صبح نے کہ اس کام کا آخر انجام؟

بولا "انجام وہی جو کہ ہے سب کو معلوم
زندگانی کو وداع اور جوانی کو سلام

آنکھ میں اپنے پرانے کی ٹھہرنا بیست در
شہر کے کوچہ و بازار میں رہنا بدنام

جس سے عجبی ہو درست ایسا نہ ہونا کوئی بیج
جس سے دنیا میں ہونا نام ایسا نہ کرنا کوئی کام

ہم پہ آئینہ ہے جو حال ہے ہونا اپنا



نفس سرکش کے گمراہی میں ہے اپنی ڈنام
 کہا ناصح نے کہ "انجسام ہو معلوم اگر
 لے نہ اس زہرِ ہلاہل کا کوئی بھول کے نام
 یہ تو کہتے ہو کہ انجسام بُرا ہے۔ لیکن
 یہ بتاؤ کہ بُرا ہوتا ہے کیسا انجسام؟
 بُرے انجسام کی تب ہوگی حقیقت روشن
 بُرے انجسام سے جب آکے پڑے گا خود کام
 مرنے والے ہی کو ہے موت کی لذت معلوم
 گو کہ رکھتے ہیں یقین موت کا سب بچہ و خاتم

قوم کی پاسداری

اک مسلمان خاص انگریزوں پہ تھانوں نکتہ چین
 "پاس ان لوگوں کو اپنی قوم کا ہے کس قدر
 چاہتے ہیں۔ نفع پہنچے اپنے اہل ملک کو
 گو کہ اُن کے نفع میں ہو ایک عالم کا عمر
 کا رخا نہ کا یہ راجس کے کبھی چاکو نہ لیں
 اُس کا ہو بچارہ ہندی شیچنے والا اگر
 خور و پی چیزیں جو یاں سے لینی پڑتی ہیں اہل
 اُن کو لسن دن سے لنگائیں بس چلے ان کا اگر
 الغرض اہل وطن کی پاسداری کو یہ لوگ
 جانتے ہیں دین و ایماں اپنا۔ قصہ مختصر

سُن کے حالی نے کہا - ”ہے حسرت انگیزوں پہ کیا
 ایک سے ہے ایک قوم اس عیب میں آلودہ تر
 ہیں محبت میں سب اندھے اپنی اپنی قوم کے
 یہ وہ نضرت ہے کہ مجبور اس پہ ہے طبع بشر
 کھیاں جیتی نگل جاتے ہیں پاس قوم میں
 اچھے اچھے راستباز اور حق پسند اور دادگر
 ہاں - بڑی اس عیب کے دیکھے اس دنیا میں ہر
 چشم بد دور اُفتِ مرخوم اسے جان پر
 اور قوموں سے انھیں لوگوں کو ہے یہ امتیاز
 حلقہ جب کرتے ہیں یہ - کرتے ہیں اپنی فوج پر
 ہوگا خوف ایسا نہ دشمن سے کسی دشمن کو یاں
 جھگڑ رہے - ان سے اپنوں اور یگانوں کو خطر“

قطبہ خباب نواب سر آسمان جاہ بہادر مدار المہام سرکار عالی

مرتبہ ۱۳۰۵ ہجری

آسمان جاہ کی خدمت میں یہ حالی کی ہے
 کہ اگر میرا ہر اک ڈنگٹا ہو جائے نہ بان
 اُس نے تمنا نہ کیا بھیج کے شاہی فرمان
 نہ کیا میں نے کبھی طوف در صدر زمان
 اور نہ ایسا کوئی جو ہر جوہریت میں گران
 جکے جلد میں اس لطف کا ہوتا شایان
 نہ ہوئی مجھ سے کوئی خدمت سرکار نظام
 نہ کوئی مجھ میں ہنر ایسا کہ ہو لایق تدار
 حق نہ تھا دولت عالی پہ کرنی حالی کا

ڈھونڈ لیتے ہیں کوئی حیلہ برائے احسان
 خار و گل دونوں کو کرتا ہے نہال آب روان
 ملک میں سکنا خواہاں ہو ہر اک پیر خواں
 آنکھ اسلام کی خود جنگی طرف ہے مگر ان
 ہے وہ عالم یہ ہو یا نہ نہیں محتاج بیان
 ہو نہ تعلیم تو ہیں سب کوئی دن کے همان
 اور نہ وزن انکا ترازو میں حکومت کی گرل
 درد کا جان لیا ان کے کہ یہ ہے درمان
 جن میں کچھ کچھ نظر آتے ہیں تقی کے نشان
 چشم عالم میں سیجائی ہے اپنی برہان
 بذل کرتے ہیں پے تربیت اہل زمان
 ملک پر قوم پہ تادیر رہے گا احسان
 جس پہ موقوف ہو یہودی نسل انسان
 یہی تدبیر ہے جس سے ہوئے ملک آبادان
 یہی حکمت ہے کہ ہوئے ہیں مسک جس گران
 کی ہمیشہ کے لئے ایکساں نہر روان
 اُس نے چاہا کہ رہی سپاس کا باقی نہ نشان
 نہر جاری ہو ہے ذات انکی سو فیض رسان
 حامی علم و خیر دیا رکمال انسان
 شکر احسان کا کرتے رہیں بعد از احسان
 اور رہی ملک کن لمجا و ما داسے جہاں

ہاں مگر ذات میں ہو فیض رسانی جن کی
 ہیں مرقی ہنر و بے ہنری کے جس طرح
 آسمان چاہ کا اک میں ہی نہیں شکر گزار
 یاں وہ اُن کھیتوں کو دیکھے گیا ہو پانی
 قوم اس وقت ہو تعلیم کی جتنی محتاج
 عزت۔ اسودگی اور ملت مذہب اُن کا
 پھر نہ قدر اُن کی کچھ آنکھوں میں خلائق کی بلند
 آسمان چاہ پر برکت ہو خدا کی جس نے
 مدد قوم کے اس ملک میں جو ہیں متاثر
 اُن کی امداد سے نواب نے کی ہو قائم
 کرتے ہیں زندہ جاوید بنی نوع کو۔ جو
 ہے مدارس کی اعانت وہ نکوئی جس کا
 یہی بخشش ہو یہی جو دہی راس الحنات
 یہی امداد ہو جس سے ہوئیں قومیں سرسبز
 یہی قوت ہو کہ تھے ہیں قومی جسے ضعیف
 دی لگا ایک نے پانی کی سر راہ سبیل
 اسکی خواہش تھی کہ ہوتے رہیں یہ سیراب
 برکتیں علم کی جو ملک میں پھیلاتے ہیں
 بخت اس ملک جس ملک میں ایسا ہو وزیر
 اب خدا سے یہ دعا ہے کہ جہانیں جنت تک
 آسمان چاہ سے ہو تقویت ملک و کن

دولت قیصری و دولت آصفیاء ہی ایک کی ایک زمانہ میں رہے پشتیان

تہنیت ولادتِ فرزندِ ارجمند در شہستانِ اقبالِ جناب

سر آسمان جاہ بہادرِ المہام سرکاری

مرتبہ ۱۳۸۰ھ

فیض ربِّ ذو المنن سے مفردہ امی اہل دکن
دی بشیر دولت دیں کو وہ چیز اللہ نے
جسکو پیری کا عصا سمجھا خلیل اللہ نے
جسکے لئے سر ہوا داؤد و ممنون نقصا
جسکے بدلے میں علی الرغم شہادت پیشگان
جو بضاعت ہو گدا کی اور دولت شاہ کی
جس سے مستغنی ولی ہیں اور نہ عاریت نیاز
صدرِ اعظم کو دیا صدر شکر خالق نے خلعت
یہ سپہ یار بختِ عترت خیر الورے
صدرِ اعظم کی طرح دربارِ آصفیاء میں
دولت و ثروت کو اسکی ذات لگ جائے شان
سیرت و عادت میں اسکی شکل آن اجداد کی

نائب دولت کا نخل آرزو دلایا سر
جس سے پایادیدہ یعقوب نے نور بصر
حق نے دی جسکے عطا ہونے کی تیار کو خبر
جسکے پانے سے ہوا ایوب مرہون قدر
حق سے ختم الالبٹیا نے پاؤں شبیر و شبیر
جو بے محل عمر کا اور زندگانی کا مثر
جس میں اجداد زندہ اور اماجد نامور
خلق کی آخر دعاؤں کا ہوا ظاہر اثر
پائے عمر خضر دیر سایہ ہر پدر
جایگاہِ قربِ سلطانی ہو اس کا مستقر
زیورِ علم و ادب سے ہو مچلی اس قدر
جو ہر خلاق فارغ ہوں اس میں جلوہ گر

لے اس میں یہ اشارہ ہے کہ نواب سر آسمان جاہ بہادر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد

ملک صفت جاہ میں سر آسمان جاہ اور وہ رات دن رکھیں اُجالا صورت شمس و قمر

قطعہ ہجرتیہ ۱۳۰۹ ہجری بمقام حیدر آباد

۱۳۰۹ ہجری میں جو راقم اور مولانا محمد شبلی نعمانی اور دیگر بزرگان قوم آنریبل
ڈاکٹر سر سید احمد خاں بہادر کے ہمراہ علیگڑھ ٹیٹن کالج کی طرف سے بہ طور
ڈیپوٹیشن کے حیدر آباد دکن میں حضور سرکار عالی نظام حاضر ہوئے تھے اس
موقع پر ایک عام جلسہ صدارت ثواب و قار الامر اہل تشیعہ باغ میں منعقد ہوا تھا۔
جس میں اہل اہل حق نے اور مولانا محمد شبلی اور بعض اور صاحبوں نے کچھ نظمیں سرکار
عالی کے تشکریہ میں پڑھیں تھیں جلسہ کے بعد جناب صدر انجمن نے مجھ کو اور مولانا
محمد شبلی کو خاص طور پر ہماری نظمیں دوبارہ سننے کے لئے دولت خانہ پر طلب فرمایا
تھا وہاں اپنی نظم پڑھنے سے پہلے یہ قطعہ جو اس وقت موزوں کیا گیا تھا راقم
نے پڑھا تھا۔

(حالی)

یاں بکرا کردی ہے جو غرت ہیں سرکار نے
خاست و الایں ہیں اک عرض کرنی چاہتے
شاعری جسکو سمجھتے ہیں کمال انساے دھر
شکر کرنا تھا ہمیں سرکار عالی کا حضور
اگرچہ کہ بہت کوشش ان ظلموں کے کچھ نہیں
رو کیا ہے اس کوشش میں فی اک قصو
اول اسکا شکر کرتے ہیں ادا اور بعد از اس
عرض کرنے کی اجازت ہو اگر اپنے تئیں
جو لیاقت اس میں ہو درکار وہ ہم ہیں نہیں
چند نظمیں انجمن میں اس لئے چہنے پڑیں
اور جو آگشت رہنے کی نہیں چھوڑی کہیں
وہ گذر فرمائیں گے سرکار اس سو ہے نظمیں
اور تو کچھ خوبیاں شاید ملیں ان میں۔ مگر
جھوٹ جو استوار کا زیور ہے وہ انہیں نہیں

قطمہ در شکر اصفافہ وظیفہ بہ پیش گاہ جناب سر آسمان جا ہ ہما

مرتبہ ۱۳۰۹ بمقام حبیب آباد

ابے بشیر دولت دیں نائب شاہ دکن اسے قہات دکن کا ذاتہ پر تیری مدار
مجھ پر لایا ہر جو لطف و کرم سرکار نے شکر اس کا کہ نہیں سکتا ادا میں زیہار
جو کہ ہوتے ہیں جہاں میں بہرہ و مقصود سے پہلے ہو جیتے ہیں صدمہ مشکوک وہ دوچار
کوئی دُنیا میں نہیں ہوتی بغیر اسکے فتوح ہے اسی پر کامیابی کا زمانے کی مدار
پر ملا مقصود حبیب حالی کو اس در سے ملا بے تر و بے تدل بے طلب ہے انتظار
قد وانی گزرا نہ میں یونہی ہو جاؤ عام پائیں بے مانگے مرادیں اپنی سب امیدوار
یار ب اس سرکار کو ہر جس عالم فیضیاب جب ملک نیار ہے دُنیا میں رکھو ہر قرار

----- (۱۳۰۹) -----

صدائے گدایان قوم

پنجاب کی ایک اسلامی انجمن کی طرف سے چند باہمت بھائیوں نے اپنی جماعت کا نام
گدایان قوم رکھا ہے ریاست بھادلوپور میں چندہ و ہول کر نیکے لئے جانے کا ارادہ
کیا تھا۔ اُن کا مقصد رئیس کے حضور میں یہ اشعار پڑھنے کا تھا۔ لیکن غالباً اُن کا
جانا نہیں ہوا۔
(حالی)

دُھو دُھو دُھو خضر مبارک پئے کو یاں آئے ہیں ہم
چھوڑ کر ٹھککا ہوا اک کارواں آئے ہیں ہم
ڈر ہے جو خوشدل ہیں وہ شکر نہوں پر مردہ دل
سخت عبرت خیر لیکر داستان آئے ہیں ہم

ہند میں اسلام کا پھولا پھلا تھا جو چین
 لیکے اُس کا فردہ فضل خزاں آئے ہیں ہم
 علم جو زندہ کیا تھا آپ کے اجداد نے
 آج اُس در پر اُسی کے نوحہ خواں آئے ہیں ہم
 قوم کھو بیٹھی ہے جو عبا سیوں کی یاد گار
 جتنو میں اُسکی شعلے کے یاں آئے ہیں ہم
 تاکہ ہو معلوم سب کو قوم کی حالت ہے کیا
 اسلئے ڈالے گئے میں جھولیاں آئے ہیں ہم
 خود غرض ٹھہرائیں یا مکار ہم کو یا گدا
 ذلتیں یہ کر کے سب خاطر نشان آئے ہیں ہم
 فخر سب بچا ہیں اُن کے قوم ہے جکی ذلیل
 فخر و عزت کے مٹا کر سب نشان آئے ہیں ہم
 ہے بنی ہاشم کی مہاں پروردی ضرب المثل
 اس لئے یاں بن بلائے یہاں آئے ہیں ہم
 تشنگی اپنی بھجانی ہو گی اے آپ جات
 لے کے منہ میں قوم کی سوکھی زباں آئے ہیں ہم



۱۱۔ چونکہ رئیس بھادل پور بنی عباس میں سے ہیں اور عبا سیوں کی خلافت میں حکم کو بہت ترقی
 ہوئی تھی اس لئے یہ مہمنوں اس طرح ادا کیا گیا۔ ۱۲۔

مژدہ قدوم حضور شاہزادہ ویلز در ہندوستان

مژدہ ہوا ہل مشرق اب دن پھرے تھا ہے مغرب سوئے مشرق آیا ہے مہربان
گلہ کی اپنے لینے آیا خبہ کہاں سے ہے لیے گلہ بان پر گلہ کی جان قربان
ہندوستان بھی تجھ سے کچھ آجکل نہیں کم اے معدن بزرگی اے خاک انگلستان
تیرے نصیب کا تو کیا پوچھا ہے - لیکن ہندی بھی ان دنوں ہیں قسمت پہ پنی ازل
ہمان ہر آج ان کا اُس شاہ کا دلی عہد روئے زمیں کے سلطان جیکے ہوئے ہیں مہمان

آخری سہارا

یہ اشعار ایک انگریزی نظم کا ترجمہ ہیں

وہ دل رہا امید میں جن پر کہ تو ہو شیدا جب دور تیرے دل سے ہو جائیگی سراپا
وہ عالم جوانی جس پر کہ تو ہے مفتوں جائیگا ٹوٹ جس دم اُس کا طلسم سارا
جن دستوں کی خاطر چھوڑا ہو تو نے اُسکو تھا جو کہ بھگوا اپنا آرام دل سمجھتا
پل دینگے جب سا کہ اُن گیلوں کی مانند بعد از بہار جو رخ کرتیں نہیں چمن کا
جب ہو چکے گا آخر یہ عیش کا زمانہ کون آکے دیگا تجھ کو اُسکے سوا سہارا
بے مہروں سے تو نے جسکو کیا ہے غلین تیری خبر وہی کچھ لے گا تو آکے لے گا
جس طرح وہ پرندہ جو فصل گل میں جبا کر
پھر موسم خزاں میں آکر ہے ہم سے ملتا

ترغیب امدادیہ ثیمان

(منقول از رسالہ "علیگڑھ منتقلی")

یہ قطعہ مولانا نے "انجمن مؤید الاسلام" دہلی کے ایک جلسہ میں پڑھا تھا۔

(اسماعیل)

اسلام بہت دن سے یہ کرتا تھا منادی
فارغِ غمِ امت سے اور اسلام کا دعویٰ
گو دین کی صورت ہو۔ یہ سیرت نہیں اسکی
مقبول نرج ہیں نہ نمازیں ہیں نہ روزے
دعویٰ نہیں سموع شہادت نہ ہو جب تک
گر اپنے یتیموں کی خبر لے نہیں سکتے
اعضا تو نمازوں میں بہت تم نے دکھائے
دنیا میں جراثیم۔ یہی عقلی میں ہے راحت
یہ قوم کے بچے جوڑے پھرتے ہیں بکس
شیریں ہی پھل ان پودوں کا اور سایہ ہو گہن کا
دیکھو نہ قنارت سے پھٹے کپڑوں کو ان کے
سفلو اسے ہوئے چروٹیں نور انکے ہوتا باں
ہیں ان میں فقیہہ۔ انیس حکیم۔ ان میں محدث
جان میں ہیں جو ہر کہیں زندگان کو نہ کھا جا
افواجِ مخالفت ہیں تگ و دو میں چپا رس
پھرتے ہیں بہت گھات میں یہاں اپنے شکاری

اے غافلو! اے بے خبرو! ہوش میں آؤ
دنیا کو بس اب دین پہ اپنے نہ بسناؤ
یہ دین ہی یا دین کا ہے سانگہ۔ تباؤ
جیتک غمِ امت میں نہ جان اپنی گھلاؤ
ہو دین کا دعویٰ۔ تو شہادت کوئی لاؤ
تو دین سے تم قطعِ تعلق کرو۔ حساد
دل کو بھی کبھی رہات تھ سے کچھ دے کے دکھاؤ
کل پھل کوئی کھانا ہو تو زخم آج اٹھاؤ
یہ پڑو ہے میری اسے دیکھو نہ گناؤ
سیوا کرو ان کی۔ انہیں پروانِ چڑاؤ
ان گدڑوں میں جو بعل کہ گم ہیں انہیں
ان کو کلوں کو میرے چلا دے کے بناؤ
ان کی بُری حالت پہ بُری گت پہ نہ جاؤ
گن دیکھنے ہیں انکے تو رنگ ان کا چٹاؤ
رندہ جاعیں نہ یہ۔ خاک ہی جلد۔ انکو اٹھاؤ
ان چھپیوں کو موت کے چکل سے بچاؤ

اسے یاد دیر بے خبر تھی اور دین کا دعویٰ اُمت کے قیدیوں کو ہوا انجیل کی تسلیم تیلٹ کی پائے ہوئے دیکھو انہیں تلقین کر جائیں حریت انکو سکھائیں میری توہین جن بچوں کو بیٹوں کی طرح چاہیے رکھنا کھانے کی بھی کپڑے کی بھی لیں انکی خبر پنا تمہیں وہ جان کے گمراہ میں ٹھکیں اسلامو اسبے ہریاں آخر یہ کہاں تکا بے کس نہ گوان کو یہ کہنا ہے خدا کا عبرت کی جگہ جو۔ ڈرو گروش سے فلک کی بن باپ کا نیتے ہوئے لگتی نہیں کچھ دیر اُمت میں ہو تم اسکی جو اُمت پہ فدا تھا وہ جیسا غریبوں کا۔ یتیموں کا تھا عاشق جو خلق تھا ہر بے کس دنیا چارے اس کا کڑھتا تھا وہ جس طرح مصیبت پہ اک کی ٹوٹے ہوئے دل میں یہ گذر گاہ خدا کی

دیں نہ اسی کا اور دین کا بس منہ نہ چڑاؤ اور اپنی تم اولاد کو فسران پڑھاؤ اور اپنے جگر گوشوں کو وحید سکھاؤ اور کان نہ توہین پہ تم میسری ہلاؤ ہاتھ آئیں تمہارے تو عظام انکو بناؤ اور تم نہ کبھی بھول کے آنکھ ان سے ملاؤ تم غیروں کی ماتہ گزر پاس سے جساؤ جو منہ کو تھوڑے تکیں آنکھ ان سے چراؤ تم پھیر کے مٹھوان سے۔ خدا کو نہ رٹھاؤ اولاد کو اپنی نظر سے بچاؤ غیر شا کو بس اللہ کی حرکت میں نہ لاؤ تو تم بھی عزیزو اُسی اُمت سے لگاؤ تم بھی انہیں آنکھوں پہ اسی طرح بٹھاؤ اخلاق میں کچھ اس کی جھلک تم بھی دکھاؤ جی تم بھی مصیبت پہ یونہیں سبکی کڑھاؤ ملنا ہر خدا سے تو اسی راہ سے جساؤ

===== (۰) =====

مدت سے یہ تھا دے رہا اسلام دھائی بارے سنی اجاب نے اسلام کی آواز جوشہ غفلت میں ہیں چور ان کو بھنچوڑو بھنچوڑو جو روزے نمازوں پہ ہیں اپنے اور کتنی تھی غفلت ”نہ اوہر کان لگاؤ“ اور بل کے کیا عہد کہ ”کچھ کر کے دکھاؤ اور نیند کے مٹوالے ہیں جو۔ ان کو جگاؤ اسلام کی فریاد انہیں چل کے سناؤ

قبل اس کے کہ حج کا کریں کعبہ کے ارادہ
 بن باپ کے بچوں کے ہٹے ہوئے چول
 حج ہند میں جو ان پہ ہے فرض۔ اُنکو جتاؤ
 کعبہ کی طرح گرد طواف اُن کے کراؤ
 امداد پہ اُن کی۔ کرو کئی قوم کو مجبور
 دل دکتے اگر اس میں کسی کا۔ تو د کھاؤ
 قائم کرو ایک انجمن اخوان صفا کی
 اور بیس راہیموں کی حمایت کا اٹھاؤ

صد شکر۔ ہو میں کوششیں احباب کی مشکو
 فیاضیاں جو قوم کے غمخواروں نے کی ہیں
 پھل دیکھنے نیت کو ہوں گر اُن کی تو آؤ
 دیکھو انہیں۔ اور بھائیوں کو جا کے سناؤ
 اس شکر میں تم مدد خداوند کی گاد
 جو قوم کا غمخوار ہو خیر اس کی سناؤ
 لو اس کے قدم۔ خود غرضی جس میں نہ پاؤ
 پر۔ اس کی خوشی میں ابھی غلیں نہ سبھاؤ
 پر قوم نہ کھیوے تو یہ کاغذ کی ہے ناؤ
 دم بھریں اُڑ جاتا ہے دریا کا چڑھاؤ
 کیونکر چلے؟ جب تم ہی یہ گاڑی نہ چلاؤ
 تم اس کے جہاں چاہو نشان دیکھ لو جاؤ
 دوائ کو مدد کام میں اور ہاتھ بٹاؤ
 اس ناؤ کو جس طرح بنے پار لنگھاؤ
 سر چڑ کے اس کام میں سب زور لگاؤ
 جس کی کوششیں احباب کی مشکو
 فیاضیاں جو قوم کے غمخواروں نے کی ہیں
 باقی ہیں ابھی قوم میں کچھ قوم کے غمخوار
 اس وقت۔ کہ نازک ہے بہت قوم پہ یہ وقت
 ہے چار طرف قوم میں اب نفسی ہی نفسی
 رحمت ہو خدا کی۔ یہ عزیزوں کی جماعت
 نے قوم سہارا تو یہ ہے ”نوح کی کشتی“
 سر شہ سے ہوتی نہیں پانی کی جب آمد
 جاتی ہے یہ۔ یاروں نے بھروسہ پہ بھٹاؤ
 میں قوم کی غفلت نے بہت کھیل بگاڑے
 یاروں کو ابھی کام بہت کرنے ہیں باقی
 مجلس کہیں جی چھوڑ نہ لے۔ ہو کے ہر اس
 دوچار کے۔ دس پانچ کے بس کا نہیں یہ کام

گو کام ہے دشوار۔ پہ مردوں کو ہر آساں
 کرنا ہے اگر اس کام کو پورا۔ کے سبھاؤ

شہر حیدر آباد

پانی دیتا ہے کوئی - پود لگاتا ہے کوئی
 آگے کرتا ہے چمن ہیں - کوئی آئین بندی
 کرتے ہیں علم نباتات کی بعضے تحقیق
 الغرض باغ میں ہیں دار و مدار بستے
 صحن گلشن میں کسی کام کو آئے کوئی
 پھول چنتا ہے کوئی آگے - کوئی برگ ٹٹ
 تاکہ ہو سیر چمن سے نہ کبھی سیر نظر
 تاکہ تحقیق سے ہواں کی - فزوں علم بشر
 ایک سے ایک کی ہیں مختلف اعراض - مگر
 جائے گا بوئے ریاحین سے معطر ہو کر
 حیدر آباد بھی اک باغ ہے اشار اللہ
 ہے جاں نفع کا دروازہ کشادہ سب پر

تہنیتِ سندھینی حضور نظام

(منقول از روزانہ زمیندار جلد ۲ نمبر ۳ مورخہ ۲۲ ستمبر ۱۹۱۱ء)

۱۱۹۱ء میں جب اعلیٰ حضرت نظام الملک آصفیہ ہفتم میر عثمان علیاں بہادر خاں اللہ
ملکہ تخت نشین ہوئے تو روزنامہ ”زمیندار“ لاہور نے اس موقع پر اپنا ایک خاص نمبر
شائع کیا تھا اور اس کے لئے مولانا سے بھی ایک نظم حضور نظام کی سندھینی
کے متعلق کہنے کی فرمائش کی تھی جو آیا مولانا نے یہ قطعہ لکھ بھیجا تھا (اسماعیل)

فلک مرتبت میر عثمان علیاں	مبارک تھیں سندھ شہر یار ہی
مبارک اب وجد کی تم کو خلافت	مبارک و کن کی تھیں تاجدار ہی
مبارک تھیں ملک کی گلہ بانی	مبارک رحمت کی خدمت گزار ہی
مبارک ہو تم کو وہ دشوار منزل	جہاں چپہ چپہ پہ ہے ذمہ داری
مبارک وہ منصب کہ جنگ و ملاوہ	ہوا چلن رخصت فراغت سدا رہی
مبارک بزرگوں کی میراث تم کو	جنوں نے کہ جھیلیں میں کڑیاں سدا رہی
ارادوں جرات سو بہت سے جنگی	زمانے نے ہو بار بار شہر طاری
مہموت ہو جن کی تاریخ رنگیں	زبانوں پہ ہو ذکر خیر ان کا جاری
او اگر گئے وہ تو اپنے فرایض	ہے اب آپ کے عہد دولت کی باری
اب ان کی جگہ آپ کو ہے اٹھانا	خدا کی امانت کا یہ بوجھ باری
جو بے بس ہیں دینا ہے انکو سہارا	جو بے یار ہیں ان کی کرنی ہے یاری
نکلتے ہیں جو۔ ان کو کامی بنانا	بڑھانا دل انکا جو ہیں کار باری
جگانا انھیں منید کے جو ہیں ماتے	پڑھانا انہیں علم سے جو ہیں عاری
جو زردار ہیں ان کی ہے پاسانی	جو نادار ہیں ان کی حاجت باری

جو سرزد میں اُن کی ہے گوشمالی
 بڑوں نے تھا عید و فاجن سے باندھا
 جو مظلوم ہیں اُن کی ہے عکساری
 سد اکرنی اس عہد کی پاسداری
 سمجھنا ہر اک قوم و ملت کو یکساں
 مبارک یہ بارگراں تم کو شہا
 کہ خصلت ہے یہ زیور شہریاری
 اٹھانے سے ہیں جگہ الماک عاری
 بہت مشکلوں کا ہے گوسامنا یہاں
 کہ بہتوں نے یہاں آکے ہمت ہو باری
 مگر مشکلیں ہیں یہ سب اُن کو آساں
 پڑی جنگی گھٹی میں ہے ملک داری
 پلے جو میں آغوش میں سلطنت کی
 سیاست ہو جن کی رگ پے میں ساری
 یہ اُسید ہے آصف ہشتیں سے
 ریاست کی حل شکلیں ہونگی ساری
 رہے گا اسی طرح جیسے رہا ہے
 و کُن پر سد اسایہ فقیل باری
 دعا گوے دیرینہ ناچیز حالی
 کہ مدحت گری کے ہنر سے ہو عاری
 دعا کے سوا کچھ نہیں پاس اُسکے
 ادا جس سے ہو فرض مدحت نگاری
 الہی طفیل اُس کا پھیلائی جس نے
 خلائی میں توحید و پرہیز گاری
 منادی نے تعلیم نے جس کی آکر
 زمانے کی بگڑی ہوئی کل سنواری
 طفیل اُس کا فرمانروا و کُن کی
 حکومت کو دے غیب سے استواری

رہے رہتی دنیا ملک وہ سلامت

یہ اقبال و فیروزی و کامکاری

حاضرین کا نفرنس سے خطاب

اے خاص گن گنت واسے یاد ران قوم
بند حتی ہر بہتری کی تمھیں دیکھ کر اُمید
تم آکے مردہ قوم میں دینے ہو جان ڈال
قومی خوشی کے ہیں یہی گویا کہ چار دن
جن جوش میں کہ آتے ہو یاں دُور دُور سے
پھر جائیں دن یقین ہے بہت جلد قوم کے
دعوے یہ حجت قوم کے سب بے دلیل ہیں
میلانہ بھجو۔ قومی جلسہ ہے دوستو!
سید کو دوسہارا کہ غفلت سے قوم کی
سراپے دھریا ہے اسے ایک فرد نے
انصاف سے بعید ہے ساتھ اسکا چھوڑنا
خواہش ہے جسکی یہ کہ ہو دنیا میں تم عزیز
عزت تمھاری دیکھ کے بڑھتا ہو جسکا خون
خدمت میں قوم کی جسے کافر لقب ملا
پرمسے اس کے قوم کا سودا نہ کم ہوا
بڑھتا گیا دم اسکا۔ ہوئی جس قدر لتاڑ
ہے ایک چراغ آخر شب ٹٹسار ہا
ایسا منونہ جیکہ ہو آنکھوں کے سامنے
کرنا ہے کچھ تو کر لو کہ باقی ہے وقت ابھی

اے زمرہ معارف واسے طبقہ کرام
ورنہ دلوں پہ چھائی ہیں بایو سیان کام
ورنہ تمام اس کا سب اب ہو چکا ہے کام
پہر سال بھر ہی غم و اندوہ صبح و شام
گر سال بھر ہے یونہی اس جوش کو قیام
پا جائیں جلد قوم کے سب زخم الیتام
جیتنے کے کہ اتنے سے دکھاؤ کوئی کام
آنا ہے دل لگی کی فرض سے جاں حرام
اب تک پڑے ہیں کام بہت اس کے تمام
ہو یا رو چھ کر ڈکے کرنے کا جو کہ کام
گھٹا تمھاری فکر میں ہے جو کہ صبح و شام
جو چاہتا ہے یہ کہ ہو تم بہ احترام
جو تم کو شاد دیکھ کے ہوتا ہے شاد کام
پشتی میں پایا دین کی بے دین جس نے نام
سب کچھ سنا۔ یہ کام کا چھوڑا نہ التزام
کوڑے تھے حق میں اسکے وہ سبط نہ دلام
یہ کچھ گیا تو بزم ہے تاریک پھر تمام
پھر حیف ہے کہ ہونہ سکے تم سے کوئی کام
پھر آگے دانت پیسنے کے دن ہیں السلام

قوم کی طرف سے حضور نظام کا شکریہ

یہ ایک میدان تھا سنانِ حشت جہہ تھی چھائی نہ سایہ تھا درختوں کا نہ یہ پانی کی سرسائی
 کہیں ہوتا اگر کوئی۔ تو یہاں کوئی مکاں ہوتا پڑے تھے کچھ کھنڈ رجن پر مٹی جا بجا کائی
 خبر لکھو تھی براہ ہوگا ایک دارالعلوم اس جا زمین پر جسکو حیرت تکے کا چرخ میسنائی
 جسے دیکھیں گے اعیانِ ملک آکر تناسے جہاں آفاق سے سیکھیں گے آکر علم و دانائی
 یہ تھی امید کس کو؟ پر خدائے اپنی قدرت کا دیا جلوہ دکھا۔ ہر جس کا اک عالم تماشائی
 نہ تھی خود قوم راضی اور مخالف اک نہ تھا گھٹا یا بڑھائی کی بانیوں کے دل پہ تھی چھائی
 مگر سید کے استقلال نے منور دیا سب کو کہ پربت ہو تو ہو جانا ہے استقلال سے الی
 رعیت نے مدد کی۔ سلطنت نے سرپرستی کی بہت جلد اپنی نادانی سے آخر قوم پہنچائی
 گرج پوچھے تو قالب بے روح تھا کالج نہ کی ہوئی اگر سرکارِ عالی نے مسجداً
 جیائی پیش مشکل جب پڑا کالج پخت آکر مدد پر کی مدد۔ امداد پر امداد فرمائی
 رہے گا قوم میں تعلیم کا باقی نشان جب تک
 رہیں گے شکر آصف جاہ میں طب الاسان ثبت

علیگڈھ کالج کیا سکھاتا ہے؟

یہ کالج قوم کو آپ اپنے بن چلا سکھاتا ہے
 سہارا غیر کا چھوڑیں یہ ایک ایک کو سمجھاتا ہے
 ”نہ چھوڑیں دین کا دامن یہیں دنیا میں عزت ہو“
 سبق سب قوم کے بچوں کو یہ دو نوٹ پڑھاتا ہے
 نہیں پاتا کبھی عزت کی خواہش سے کوئی عزت
 معزز کس طرح بنتے ہیں؟ گز اس کے بتاتا ہے
 خدا نے کر دیا ہے حکم اس قوم کو ہمہ سہ
 خلوص اور دوستی اس قوم کی دلیں بٹھاتا ہے
 رعیت کو برابر حق دے یہ جس جو حکومت نے
 طلب سے پہلے انکا مستحق بننا بتاتا ہے
 زمانہ قوم نے غفلت میں جو پہلے گزاریا ہے
 ڈراؤنی صورتوں میں بار بار اس کو دکھاتا ہے
 یہ باہم نہ ہی فرقوں کو ہے شیر و شکر کرتا
 یہ روٹیوں کو مناتا ہے یہ بچھڑوں کو ملاتا ہے
 کھلاتا ہے یہ کھانا ایک ستر خوان پر سب کو
 نمازیں بیگانہ ایک مسجد میں پڑھاتا ہے
 وفا کا بیج بوتا ہے نصیب دل سے کھوتا ہے
 مسلمانوں کو گڈ سبجکٹ بننا یہ سکھاتا ہے

نہ چھوڑے گا یہ باقی قوم میں دیکھے گا جو خامی
 خدا کی برکتیں ان پر جو اس کالج کے ہیں عامی

شکر یہ سطر برقرار

مستر بردر کرنال میں سپرٹنڈنٹ پولیس تھے۔ نیک بھی تھے اور خوش اخلاق بھی۔
 کرنال سے تبدیلی کے وقت منشی عبدالحمید صاحب ڈپٹی انسپکٹر پولیس نے مولانا سے
 یہ نظم لکھوا کر مسٹر موصوف کے حضور میں پڑھی تھی۔ (اسماعیل)

سچ ہے کیا نہ شکر بے بشر جس نے آشکارا اس نے کیا نہ شکر خداوند کردگار
 ہم شکر کس زبان سے کریں آپکا ادا احسان ہم پہ آپ کے ہیں خارج از شمار

لے گڈ سبجکٹ. Good Subject. یعنی اچھی رعایا ۱۲ اسماعیل

کی یہاں حکومت آپ نے دس سال جس طرح
 انیسویں صدی کے یہ دس آخری برس
 جو ہے اُسے قلم ہے جُدائی کا آپ کی
 تھی آرزو۔ لگے رہیں قدموں سے آپ کے
 لیکن خوشی کے ساتھ۔ جو غم بھی لگا ہوا
 آپ بھی وہ گھڑی کہ ہم آئے حضور میں
 اس وقت کہ جودل پہ ہے حالت گذر رہی
 ہے حق سے یہ دعا کہ بھلائی کا تخم یہاں
 بزرگ نے جس طرح کہ خلائق کو خوش رکھا
 خالق اُسے بھی رکھے سدا شاد و کامگار

سٹریٹس کی روانگی ولایت

سر تھوڈور مارلین ۱۸۸۵ء میں علیگڑھ کالج کے سٹاٹ ٹیلنٹ ہوئے تھے۔ دس
 سال کے بعد ۱۸۹۹ء میں سٹریٹس کے انتقال پر پرنسپل ہو گئے۔ بہ حیثیت پرنسپل
 اور بحالت پرنسپل انھوں نے مسلمانوں کی جو تعلیمی خدمات انجام دی ہیں وہ علیگڑھ
 کالج کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گی۔ ۱۹۰۷ء میں جب موصوف اپنی بعض خانگی
 ضروریات کے لئے مستعفی ہو کر ولایت تشریف لے جانے لگے تو ایک الوداعی پارٹی
 میں مولانا نے یہ نظم پڑھی تھی۔
 (اسامیل)

ہم سے ہوتے ہیں جدا اب آریل مارلین
 سایہ اپنا سر سے کالج کے اٹھانے کو ہیں وہ
 چھینتا ہے اُن کو ہم سے جذبہ حب وطن
 جس کے سر پہ تھے تھما کیطرح وہ سایہ فگن
 چھوڑ جائیں گے وہ یوں پھولا پھولا اپنا چمن
 تھی نہ کالج کے ہوا خواہوں کو یہ ہرگز امید

کیا خبر تھی ہم کو؟ یاد آئے گا اپنا جیکہ دیس
 چھوڑ کر پڑا مسلمانوں کا یوں منجھدار میں
 تم نے پوری کر کے آنکھوں کو دکھا دی وہ مثل
 چاہتے تھا دیکھتے اپنے چمن کی اب بہار
 پرورش میں تم نے جس تپے کی کاٹے ہیں سال
 تم نے باندھی تھی کمر جس قوم کی تسلیم پر
 پڑ لگاتے اور ہیں یہاں پودے پھل کھاتے ہیں اور
 ہے تمہارے جانشینوں کے لئے اب اہمنا
 تم نے کی کالج کینڈت جس خلوص صدق سے
 ہو صلیہ نیکی کا خود نیکی کہ دل سوزی کا اجر
 گو کہ یہاں تعلیم کا بویا تھا مسر سید نے بیج
 جیسے پھیلا یا مقدس پال نے دین سچ
 تم نے مسر سید کی جو اصلاح میں حصہ لیا
 تم زمین کے ہونیک مصلح ہو تم اقوام کے
 نوع انسان کی مدد کرنا، قطار ہے شعار
 مار سن اور مار سن سکیم نے ثابت کر دیا
 نیک دل با تو بھی کالج کی مڑتی تھی یونین
 اب دُعا یہ ہے کہ آپ اور آپ کے اہل و عیال

بھول جائیں گے انہیں پر دیس کے سارے بچن
 راہ لی تم نے سمندر پار کی اسے مار سن
 وہ جو مشہور "کن نیکی ددور" یا فگن
 جبکی بھنچی ہے ہک سٹیر از سے لے تا دکن
 دیکھنی تھی اب تمہیں اس کی جوانی کی بھن
 شاہ دہوتے دیکھ کر ان میں کمال علم دفن
 نوع انسان میں علی آتی ہے یہ رسم کہن
 کٹ گئیں اس راہ میں بھتیخ تر لیں جتنی کھن
 بس یہی خدمت تمہارا ہے صلہ امر مار سن
 شمع نے بھر پایا روشن ہو گئی جب انجن
 پر پھلا پھولا تمہاری سعی سے اس کا چمن
 تم نے اور پاک نے یونین پھیلا یا سید کا مشن
 قوم کی سنت ادا کی ہے یہ تم نے بے سخن،
 ہے تمہاری قوم کی خصلت یہ مشہور زمین
 تقویت دینا ضعیفوں کو تمہارا ہے چلن
 چیر کے تیلے ہیں انگلش قوم کے سب مردوزن
 جس طرح شوہر کے دل کو بھتی لگی اسکی لگن
 سایہ افعال ربانی میں بھنچیں تا وطن

رہو سے ہر منزل میں توفیق آتی ساتھ ساتھ

حافظ و ناصر تمہارا ہر خدا کے ذوالمنن

.....

خطاب ”بہ حاذق الملک“

(منقول از ”علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ“ مئی ۱۹۰۸ء)

۱۹۰۸ء کے شروع میں جب حکیم محمد اہل خالص صاحب کو گورنمنٹ نے ”حاذق الملک“ کا خطاب مرحمت فرمایا تو حکیم صاحب موصوف کو مبارکباد دینے اور گورنمنٹ کا شکریہ ادا کرنے کے لئے ۱۹۰۸ء کو دہلی کی پبلک کا ایک عظیم الشان جلسہ شہر کے ”ٹاؤن ہال“ میں ذاب امیر الدین احمد خالص صاحب والی ریاست لوہارو کے زیر صدارت منعقد ہوا تھا۔ مولانا بھی اتفاقاً دہلی میں تشریف لے گئے کے باعث جلسہ میں شریک ہوئے ایک تقریر فرمائی اور آخر میں یہ قطعہ پڑھا۔
(اسامیل)

حاذق الملک! اس خطاب فرخ مسخو پر ایک عالم آپ کو دیتا مبارکباد ہے
پر یہ ہے کیسی مبارکباد۔ ہم حیران ہیں؟ گو کہ دل ہر لپٹے بیگانیک اس شاد ہے
سستی کو شش آہنے کی تھی کبھی بہر خطاب؟ یا کوئی درخواست دی تھی آپ نے کچھ یاد ہے؟
یہ تو یاروں کی دعاؤں کا جو بس سارا ظہور غیبی یہ ان دعاؤں کی ہوئی امداد ہے

بس مبارکباد یہ جو دے رہے ہیں خاص عام
مستحق ہیں اسکے ہم۔ یا آپ۔ کیا ارشاد ہے؟

شکرِ مِماعی جمیلہ طفر علی خسان

از طرف جملہ مسلمانان

۱۹۱۳ء

(منقول از روزنامہ "زمیندار" جلد ۲ نمبر ۱۶۹ - مورخہ ۱ اگست)

۱۹۱۳ء میں جب مشرف علی خاں بی۔ اے۔ اڈیٹر مالک اخبار زمیندار جنگ بھقان کے سلسلہ میں قسطنطنیہ گئے اس وقت ان کی اسلامی خدمات اور قومی سہمدردی کا بڑا شور تھا۔ عام رائے سے متاثر ہو کر مولانا نے بھی اس وقت ان کی شان میں کچھ ابیات لکھی تھیں لیکن نظم ناتمام رہی جب وہ واپس ہندوستان آئے اور دہلی میں پہنچے جہاں ان کا نہایت پر جوش استقبال کیا گیا، اس وقت مولانا نے اس نظم کو پورا کیا۔ مولانا کی خواہش تھی کہ خود یہ نظم ان کے سامنے پڑیں۔ پانی پت سے انہیں ہلی مار دیا گیا کہ لاہور جاتے ہوئے عورتوں کی دیر یہاں بھی ٹھہریں مگر نہ مار کا جواب آیا اور نہ مشرف علی خاں ادھر سے گزرے موقع گزر جانے کے بعد مولانا نے یہ نظم دفتر زمیندار میں اشاعت کے لئے بھیج دی تھی۔

(اسما حیل)

اے مالکِ دفتر زمیندار	اے نادرِ قوم دفترِ آقراں
اے روحِ دروانِ جمعِ اجاب	اے چشمِ چراغِ ہریمِ خواں
اے دین کے امتحاں میں جانبا	اے نصرتِ حق میں تیغِ غریاں
اے صدق و صفا کی زندہ تصویر	اے شیرِ دل لے "طفر علی خاں"
قدرتِ بہرے تھے تجھ میں جو گن	جب تک وہ رہے نظرتِ پہناں
فوقیتِ دہر تری پہ تیری	قام کوئی ہو سکی نہ بُرہاں
پروقت کی تاک میں برابر	ہمت تری گن رہی تھی گھڑیاں

بلقان و طرابلس میں ناکاہ
 ہمدردی اہل دین نے آخسر
 جمعیت و صبر کا سراسر
 پھیلے وہ بشکل سیل ۲۲
 ڈالا یہ ترمی پیکار نے غل
 جو دل غم قوم سے تھے بے حس
 وہ بن گئے آپ اپنے رہن
 اسلام کی سمجھ اب حقیقت
 ہاں اس میں نہیں مبالغہ کہہ
 نازاں ہے وہ درگاہ بتمہ پر
 کاش ایسے جے سدا وہ فرزند
 سوز غم دین حق سے جن کے
 جو ملک و وطن کے ہوں فدا
 مشرق میں ہوں درد دل بچپن
 پنجاب کو بچھ پہ ہو اگر خنسر
 اٹھا ستم و جفا کا طوفان
 جو ہر ترے کر لیے نمایاں
 دامن ہوا چاک تا گریباں
 دل میں ترے جو شرتھے پہناں
 جی اٹھے وہ مرد جو تھے بچاں
 چلنے لگیں اُن دلوں پہ پھریاں
 جو مال کے اپنے تھے نگہاں
 جو نام کے تھے فقط سُلماء
 شستا بھی ہوا اے ظفر علیخاں
 تعلیم یہ جس کی - تو ہے نازاں
 جو قوم کے درد کے ہوں درماں
 سینے ہوں کباب ل ہوں بریاں
 جو قوم کے نام پر ہوں قرباں
 مغرب میں سنیں جو رنج خواں
 ہے اُس کو یہ خردنا زو شایاں

زندہ ہے وہ ملک اور وہ ملت

ہوں زندہ دل ایسے حمیرا

حصہ اول تمام شد

حصہ دوم

غزلیات

موانا کی تمام غزلیات تین حصوں میں تقسیم کی جا سکتی ہیں :-

اول وہ قدیم غزلیات ہیں جو ایام جوانی یا اس زمانہ کی تصنیف ہیں جب حالی پر تیسرا زمانہ کا اثر نہ پڑا تھا اور جس وقت شاعری صرف گلگلی ٹی حسن عشق - پھر دوصال اور عاشقانہ مشکوہ و شکایت وغیرہ مضامین میں ہی منحصر رہی جاتی تھی۔ سما کی لکیر غزلیات بھی زمانہ کی ہوا کے موافق اسی رنگ میں رنگین نظر آتی ہیں۔

دوسری قسم کی غزلیات اس وقت کی ہیں جب زمانہ بڑھ گیا اور نئی طرز کی شاعری کی داغ بیل پڑنی شروع ہوئی۔ پُرانی شاعری سے طبیعت متنفر ہونے لگی اور فقار زمانہ کو دیکھ کر اس بزرگ حکیم کے دل میں بھی قوی درد اٹھا جو آخر کار اس نا صحا نہ اور حکیمانہ کلام کا باعث بنا جس سے حالی کی تمام منظوم تصانیف لبریز ہیں۔ اس زمانہ کی غزلیات سے نصیحت عبرت اور درویش کا پڑنا ہے اور دراصل یہی وہ میدان ہے جس میں حالی نے فاتحانہ انداز سے قدم رکھا ہے۔ اور جس میں وہ اپنے تمام معاصرین سے نہایت ممتاز نظر آتے ہیں۔

آدلی اور دوم دونوں قسم کی غزلیات دیوان حالی میں صاف طور پر طبعی و علیحدہ نظر آتی ہیں۔ اور ایک نظر میں معلوم ہو جاتا ہے کہ کونسی غزلیات قدیم ہیں اور کونسی جدید ؟

تیسری قسم کی غزلیات وہ ہیں جو حالی کی باکھل آخری عمر کی تعلیف اور دیوان کے شائع ہونے سے بعد کی ہیں اور جن میں بڑھاپے کی پختہ کاری، اعلیٰ درجہ کی دقت فیصلہ، ہر معاملہ میں چچی ٹلی رائے، کلام کی خوبی و لطافت، اور حسن بیان، غرض ہر خوبی نہایت نمایاں نظر آتی ہے۔ اور جن سے اس شہرہ منقولہ کی سچائی پورے طور پر دہر نشین ہو جاتی ہے کہ ”شاعر جس قدر ضعیف اور بوڑھا ہوتا جاتا ہے۔ اسی قدر اس کی شاعری نچھتی اور جوان ہوتی جاتی ہے“

ہم تینوں قسم کی غزلیات میں تیسرے کے لئے کچھ اشارات مقرر کر دیے ہیں۔ جن سے ناظرین سمجھ لیں گے کہ کونسی غزل کس وقت کی تعلیف ہے۔

(۱) قدیم غزلیات کے شروع میں حاشیہ پر قی بنا دیا گیا ہے۔
(۲) جدید قسم کی غزلیات چونکہ بہت زیادہ نہیں لہذا آسانی کے لحاظ سے ان پر کوئی نشان نہیں لگایا۔ ان کا نشانات سے خالی ہونا ہی ان کے جدید ہونے کی علامت ہے۔

(۳) آخری عمر کی غزلیات پر ان کا نشان بنا دیا گیا ہے۔
ہم تینوں قسم کی غزلیں جدا جدا درج کرتے مگر ردیفوں کے سلسلہ کا بھی خیال تھا اور اس صورت میں یہ سلسلہ قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ کیونکہ علیحدہ علیحدہ ہر قسم میں اس قدر غزلیں نہیں ہیں کہ وہ تمام ردیفوں پر تقسیم ہو سکیں لہذا مجبوراً تینوں اقسام کی غزلیں ملا جلا کر لکھ دی گئیں۔ اس طرح ردیفوں کا سلسلہ بھی پورا ہو گیا اور ہر غزل پر خاص نشانات لگا دینے سے تمیز میں بھی آسانی ہو گئی (اسماعیل)

الف

قبضہ ہر دلوں پر کیا اور اس سوا سیرا اک بندہ نافرماں ہے حمد سدا تیرا

گوسب سے مقدم ہے حق تیرا ادا کرنا بندے سے مگر ہوگا حق کیونکہ ادا تیرا
محرم بھی ہے ایسا ہی جیسا کہ ہے نامحرم کچھ کہہ نہ سکا جس پر یاں بھید کھلا تیرا
تجما نہیں نظروں میں یاں خلعت سلطانی کلی میں نگوں اپنی رہتا ہے گدا تیرا
عظمت تری مانے بن کچھ بن نہیں آتی یاں قطع میں خیر و سرکش بھی دم بھرتے سدا تیرا
ترہی نظر آتا ہے ہر شے پر محیٹا اُن کو جو رنج و مصیبت میں کرتے ہیں بگلا تیرا
نشیں وہ احسان کے سرشار میں اور بخود جوش کر نہیں کرتے نعمت پر ادا تیرا
سمجھا ہی پرے تنکو اور اک کی سرحد سے جس قوم نے رکھا ہے انکار ردا تیرا
طاعت میں ادب تیرا عصیاں ہو گوڑہ کر عصیاں میں ہو طاعت سے اقرار ردا تیرا
آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ ٹھک تیری گھر گھر لے پھرتی ہے پیغام صبا تیرا
سر ہر دول ترا دل سے ٹکرا کے گذرتا ہے

کچھ رنگ بیاں حالی ہو سب سے جدا تیرا

کابل ہے جوازل سے وہ ہو کمال تیرا باقی ہے جو آبد تک وہ ہے جلال تیرا
ہے عارفوں کو حیرت اور منکروں کو سکتہ ہر دل پہ چارہا ہے رعب جمال تیرا
کاوش میں ہے الٰہی دگدا میں ہو طبعی جو حل ہوا نہ ہوگا وہ ہے سوال تیرا
چھوٹے ہوئے ہیں گوجی پر دل بند ہوئے ہیں ملنے سے بھی سوا ہے چھٹنا حال تیرا
گو حکم تیرے لاکھوں یاں مالتے رہے ہیں لیکن بلا نہ ہرگز دل سے خیال تیرا
پھندے سے تیرے کیونکر جائے نکل کے کوئی؟ پھیلا ہوا ہے ہر سو عالم میں جال تیرا
انکی نظر میں شوکت جتنی نہیں کسی کی آنکھوں میں بس رہا ہے جن کی جلال تیرا

۱۔ یہ اشارہ ہے اس حدیث کیطرن "اَلَا اِنَّ لِلّٰهِ لَفُحَّاتٍ فِي الدَّهْرِ لَا فَعْرَ مِنْ اَنْبَا
یعنی خدا کی خوشبوئیں زمانہ میں پھیلی ہوئی ہیں سو اٹھا آگاہ اور اُن کو اور پرند جانے دو ۱۲۔ حال

دل ہو کہ جان۔ تجھ سے کیونکر عزیز رکھئے
دل ہو سوخیر تیری۔ جان ہو سوال تیرا
ہو پر زل سے دل اس کا قوی زیادہ
رکھتی ہے آسرا یاں جو پیر زل تیرا
ہے پاس دوستوں کے تیری ہی نشانی
یارب کبھی نہ پائے زخم اندمال تیرا

بیگانگی میں حالی۔ یہ رنگ آشنائی

سُن سن کے سر دھنیں گے قال اہل حال تیرا

زب میں دشتِ جنوں کی تیرے عجب مزا خوشگوار دیکھا

نہ اس سفر میں مکان دیکھی نہ اس نشے میں خار دیکھا

نہ جی رکھائی سے تیری چھوٹے نہ بے نیازی سے آس ٹوٹے

رہے سدا نامراد چو یاں اُنھیں بھی اُمید دار دیکھا

یخِ جاں سوز تیرا دیکھا نظارہ افسر و زجسِ جن میں

نہ بلبلِ وگل میں واں تعلق نہ سرورِ قمری میں پیار دیکھا

سوار۔ محل کی جستجو میں ہزاروں دشتِ طلب میں ڈرے

نہ محلِ آناظر نہ ناتر۔ فقط کچھ اٹھتا اخبار دیکھا

جو لاکھ میں ایک پر۔ کہیں کچھ کھلا بھی سمت سے بھید تیرا

بلانہ کھنچ اس کا پھر کسی کو نہ اڑھوٹا ہزار دیکھا

لگن میں تیری نکل گئے جو نہ بھجکے دریائے پر خطر سے

گئے وہ کوڈ آنکھ بند کر کے نہ وار دیکھا نہ پاؤں دیکھا

بچے ہوئے کا ہنسوتیاں کی وہی ہیں جو تیرے ہو رہے ہیں

وگر نہ زخموں سے حادثوں کے ہر ایک سینہ فگار دیکھا

جن میں بھولے سے جا بھی نکلے اگر کبھی داغدار تیرے

گل اُن کی نظروں میں چھتے دیکھا کھٹکتے آنکھوں میں خار دیکھا

خبر نہیں یہ کہ کیا ہے۔ کیسا ہے۔ کون ہے۔ اور تو کہاں ہے؟
 یہ اپنے میں اور تجھ میں ہم نے عداوت اک استوار دیکھا
 سلوک ہیں تیرے سب کے یکساں وہ گبر و ترسا ہوں یا مسلمان
 نہ اُن سے کچھ تیرا سیر یا یا نہ اُن سے کچھ تیرا سپار دیکھا
 سپر بھی دی تو نہ تیغ بھی دی مگر ڈیے ہاتھ باندھ سب کے

جنہیں تھایاں اختیار سب کچھ انہیں بھی بے اختیار دیکھا
 بشر سے کچھ ہو سکے نہ حالی تو ایسے جینے سے قائمہ کیا
 ہمیشہ بیکار تجھ کو پایا کبھی نہ سگرم کار دیکھا

پردہ ہوا لاکھ کینہ شمر و نرید کا چھپتا نہیں جلال تھارے شہید کا
 مصنون ہو نقش دل میں کدینا مرید کا کوئی نہیں سے بھر گیا نہ دامن امید کا
 قفل درِ مراد سب اکبار کھل گئے چھوڑا جب رزوںے بھروسا کلیہ کا
 دیکھا ہے ہنسنے عالم رحمت کو غور سے ہر شش جہت میں غلط دل نا امید کا
 شرم کرم کی ہیں یہی گر پڑہ داریاں انجام ایک ہو گا شفیق و سعید کا
 ہو نروبان جذبہ توفیق درمیاں یاں امتیاز کیا ہے قریب بعید کا
 ہو آسمان پتیرے جاغوار کا دماغ خون جگر میں نشہ ہو جام ہنید کا
 تسکین نہیں شاہدہ گاہ گاہ سے یارب یہ روزہ دار ہو مشاق عید کا
 دوزخ ہو گرد وسیع تو رحمت وسیع تر کا تھنن جواب ہو صل من مہین کا

حالی کی ہیں اگر یہی شیوا ہیانیاں

لیگانہ کوئی نام ظہیر و رشید کا

۱۔ قرآن شریف میں ہے: لَمْ يَجْعَلْ لَكُمْ دِينًا وَدُنْيَا فِيهَا وَلَكِنْ دِينًا مَّا تَرْضَوْنَ یعنی اہل جنت کے
 میں جو کچھ وہ چاہیں گے سب کچھ ہو گا اور (اسکے سوا) ہمارا پاس اور بھی دہشت کچھ ہے ۱۲۔

نعت

یا مَلِئُ الصَّغَفَاتِ بِابْنِ سَرِی الْقَوْلِ
 بختی ہوئی زندہ خلق جیسے کہ بارگاہِ خاک
 دعوئے روشن ترا ثابست بے ہیستہ
 خال ترا اور حال نشہ وحدت میں چور
 غیب پہنچا تجھے ثابتا پھر تا تھا حب
 اٹھا ہدایت کو تو عین ضرورت کو وقت
 شان رسالت کی تھی تیری جیسے عیاں
 گلہ بنی سعد کا جب کہ چرا تا تھسا تو
 دوڑ پڑے سو حق کا ٹکے سب پیریاں
 راہبِ قسینِ جبرہ گئے دل قحام کر
 خاک تھی جس ملک کی مَنَزَعِ شرفِ فساد
 تو نے عمل کیا قوم کا غلبہ تھا جب
 چھوڑ گئے تھے سلفت کام دھوکہ بہت
 تو نے کیا سترخی عارضہ عامی پہ فاش
 چوتھ حق کی رہا دل نہ اچھوتا کوئی
 محبت حق کر چکا دین ترا جب تمام
 دیر ہوئے بے چراغ اور صلواتِ یوں
 بجھ گئے آنکھ کے بیٹھ گئے بنگدے

فَیْکَ دَلِیْلُ عَیْلِ اَنَاکَ خَیْرُ الْوَرِی
 خَلَقْتَ خَضْبُ الزَّانِ فَبُکَّ خَیْالُ الْوَرِی
 صورت و سیرت تری صدق پہ تیرے گوا
 اور بھنا تیرا خدا اور بچھونا خدا
 دشت میں بھٹکا ہوا فناء فلہ بے رہنا
 جیسے کہ ہنگامِ قوطِ بے سوائے گھٹا
 گو سے دایہ ابھی کرنے چکی تھی جد
 گلہ آدم کے سوئے چکی تھی قضا
 اُمیوں کے جب پڑی کان میں تیری صدا
 دیکھ کے تیرا قدم ہم قدمِ انبیاء
 تو نے اسی کو دیا ارضِ مقدس بنا
 جب ہوئی مغلوب قوم تو نے ترہم کیا
 تو نے کیا دامِ دامِ قرضِ سب ان کا ادا
 ایک کو سمجھا دیا ایک کو دکھلا دیا
 ایک کے چر کا لگا ایک کو گھائل کیا
 پھر نہ کسی دین کا رنگ جہان میں جما
 شرک ہوا مفضل اور کمانت ہنبا
 ہو گئی شلیت مات اور ثنویت فنا

ملہ دیر۔ راہبوں کا کلیسا۔ صلوات۔ یہودیوں کا کلیسا۔ ہنبا عبادِ ناپیرائے۔ موسیٰ جو د خدا ایک شایق
 خیر ایکہ خالق شمر یعنی یزدان اور راہبوں کو ماننے ہیں اس عقیدہ کو ثنویت کہتے ہیں۔ ۱۲

اٹھے بہت مدعی جیسے کہ سادہ میں گھانسن
 غیرت حق نے مگر جلد لیا انتقام
 رہ گیا نام سچا کذب میں ضرب المثل
 سلسلہ انبیاء ختم نہ ہوتا۔ اگر
 آتے ہی چشمہ دیا تو نے گنہ گاروں کو نکال
 بس نہ رہا اشتباہ اب حق و باطل میں کچھ
 بچھڑا صلوٰۃ و سلام رب سموات سے
 روز و شب صبح و شام قدر مال و حصے
 اے عشق تو نے اکثر قوموں کو کھا کے چھوڑا
 جس گھر سے سر اٹھایا اس کو بٹھا کے چھوڑا
 ابراہیم سے ترساں احرار تجھ سے لرزاں
 جو زد پہ تیری آیا اسکو گر کے چھوڑا
 رایوں سے راج چھینے شاہوں سے تاج چھینے
 گردن کشوں کو اکثر نیچا دکھا کے چھوڑا
 کیا مسموموں کی دولت کیا زادوں کا تقوٰی
 جو گنج تو نے تاکا اسکو لٹا کے چھوڑا
 جس لہجہ میں بیٹھا تو غول راہ بسکر
 صفحاں سے راست رو کو رستہ بھلا کے چھوڑا

لے سچا ایک عورت مدعیہ نبوت کا نام ہے جس کا کذب عرب میں ضرب المثل ہے چنانچہ کہتے ہیں
 من اکذب من سجاح اور اسود غسانی اور سبیلہ جس کی کینٹ ابن کثیر ہے۔ یہ دونوں مدعی نبوت رہے
 جو آخر کار قتل کئے گئے۔ ۱۲۔

فراد کو کہن کی لی تو نے جان شیریں

اور قیس عامری کو بھنوں بنا کے چھوڑا

یعقوب سے بشر کو دی تو نے نا صوری

یوسف سے پارسا پر بہتان لگا کے چھوڑا

لاگ اور لگاؤ دونوں میں دلگداز تیرے

پتھر کے دل سے جن کے انگوڑا کے چھوڑا

عقل درخز نے تجھے کچھ خچہاں جہاں کی

عقل درخز کا تو نے خاک اڑا کے چھوڑا

علم و ادب رہے ہیں دبے ترے ہمیشہ

ہر معرکہ میں تو نے اُن کو دلا کے چھوڑا

افسانہ تیرا رنگین رُوداد تیری دلکش

شعر و سخن کو تو نے جادو بنا کے چھوڑا

اک دسترس سے تیری حالی بچا ہوا تھا

اُسکے بھی دل پہ آخر چرکا لگا کے چھوڑا

دیکھ اے امید کی جو ہم سے نہ تو کنارا تیرا ہی رہ گیا ہے لے دیکے اک سہارا

یوں بے سبب نہ پھر تاہیں کسی سے اے آسمان کچھ اس میں تیرا بھی ہوا سارا

میں خانہ کی خبر ابی جی دیکھ کر بھرا آیا مدت کے بعد کل داں جانکے نئے قصارا

اک شخص کو توقع بخشش کی بے عمل ہے اے زاہد و تنہا راہے اس میں کیا اجارا؟

دنیا کے خرخشوں سے حنج اٹھے تھے ہم اول آخر کو رفتہ رفتہ سب ہو گئے گوارا

تو فتنے نے ہمیشہ لی منت پر خبریاں جب ناؤ ڈوگ لگائی پاس آگیا کینسارا

لے دلا نا کشتی دلا نا یعنی بچاؤ نا۔ اکثر کشتی کا لفظ حذف کر کے صرف دلا نا بولتے ہیں۔ ۱۲۰

الضات جو دیکھا نکلے وہ عیب سارے تجھے ہنرتے اپنے عالم میں آشکارا
افسوس۔ اہل دین بھی مانند اہل دنیا خود کام و خود نامیں خود میں میں اور خود آرا
امت کو چھانت ڈالا کافر بنا بنا کر اسلام پر فیتہوا مہنون بہت تمھارا
کیا پوچھتے ہو کیونکر سب نکتہ چیں ہو چپ سب کچھ کہا انھوں نے پرہنے دم نہ مارا
حالی سے کام ہر یاں فحلوں سے اسکے کیا کام

اچھا ہے یا بُرا ہے پھنسا رہے ہمارا

رونا ہونگا حالی شاید یہ کم تمھارا جب دیکھو آنسوؤں سے دامن ہو تم تمھارا
اُلفت میں دم بدم کچھ لذت ہو بڑھتی جاتی چھوڑے گا کھا کے شاید عاشق کو غم تمھارا
عاقل ہیں شہر میں کم نادان بہت ہیں اعظا ہے مصلحت کہ اکثر بھرتے ہیں دم تمھارا
و بخوبی نہیں کوئی، یاں حیف اے صنم پرستو دلکش بہت تھا ورنہ بیت الصنم تمھارا
گاہک کی قدر سے کچھ قیمت نہ پاؤ گے تم اپنی نظر میں ہو گا گردن کم تمھارا
دشمن طلب کے رستوں طے ہو گے کس طرح تم آتما نہیں سمجھ میں کچھ بیچ و خم تمھارا
دو بینواؤں کو بھی کچھ جم کے جانشینو بس جام جم ہمارا اور نمک جام تمھارا
روسی ہوں یا تارسی ہم کو تائیں گے کیا دیکھا ہے جتنے برسوں لطف و کرم تمھارا
لکھولی ہیں تم نے آنکھیں اے حادثہ جاری احسان پہ ہرگز بھولیں گے ہم تمھارا
ہوتے ہی تم تو پیدل کچھ رو دیے سوارو ہے لاکھ لاکھ من کا ایک اک قدم تمھارا
رستے میں گزرنے ٹھہرنے تو تم بھی جا لو گے گذرا ابھی ہر یاں سے خیل و حشم تمھارا
پھر تے ادھر ادھر ہو کس کی تلاش میں تم؟ گم ہے تمھیں میں یا رو۔ بارغ ازم تمھارا

جاؤ و رقم تو مابین ہم دل سے تم کو حالی

کچھ کر کے بھی دکھائے زور قلم تمھارا

دولت ہو شکستہ نہ وہ بازو ہیں تو انا پہونچا ہی بس اب کو نوج کام سمجھو زمانا

خود ہر وطن سے ہے و داع ایک سفر میں جانا ہوا ہاں پھر کے جہاں سے نہیں آنا
 دلی سے نکلتے ہی ہوا جینے دل سیر گویا نہ رہا اب کہیں و سب میں ٹھکانا
 یارب طلب وصل ہوا ہو طرب وصل جس دن کہ یہ دونوں نہوں وہ دن دکھانا
 دنیا کی حقیقت نہیں جز حسرت و حراں چھل بل میں تم اس زلِ منو لگر کی نہ ۶ تا
 افسوس کہ غفلت میں کٹا عید جوانی تھا آپ بقا گھر میں مگر ہم نے نہ جانا
 یاروں کو ہمیں دیکھ کے عبرت نہیں تھی اب واقعہ سب اپنا پڑا ہم کو سنانا
 دنیا میں اگر ہو بھی فراغت کا کوئی دن وہ دن ہو کہ جہنم ہی اسے چھوڑ کے جانا
 لی ہوش میں آنے کی جو ساقی سوا اجازت نہ پایا خروار کہ نازک ہے زمانا

ڈھارس سی کچھ اسی ہمدرد موتم سے بندھی ہو

حالی کو کہیں راہ میں تم چھوڑ نہ جانا

جہاں میں حالی کسی پہ اپنے سوا بھروسا نہ کیجے گا

یہ بھی ہے اپنی زندگی کا بس اس کا چرچا نہ کیجے گا

ہو لاکھ غیروں کا غیر کوئی۔ نہ جاننا اس کو غیب ہرگز

جو اپنا سایہ بھی ہو تو اس کو تصور اپنا نہ کیجے گا

سنائے صوفی کا قول ہو یہ کہ ہے طریقت میں تردد عوی

یہ کمدو "دعویٰ بہت بڑا ہے پھر ایسا دعویٰ نہ کیجے گا"

اسی میں ہے فیہ حضرت دل کہ یار بھولا ہوا ہے ہم کو

کرے وہ یاد اس کی بھول کر بھی کبھی متنا نہ کیجے گا

کہے اگر کوئی تم کو داغطا کہ کہتے کچھ اور کرے کچھ ہو

زمانہ کی خوشے نکتہ چینی کچھ اس کی پروا نہ کیجے گا

کمال ہے ضد بے کمالی۔ نہیں ملاپ ان میں حرف گیر و

جو ہم پہ کچھ چوٹ کیجے گا تو آپ بھیجنا کیجے گا
 لگاؤ تم میں نہ لاگ نہ اہنہ درو الفت کی آگ نہ اہ
 پھر اور کیسا کیجے گا آخر جو ترک دنیا نہ کیجے گا
 تمہارا تھا دوستدار حالی اور اپنے بیگانہ کا رخصا جو
 سلوک اس سے کئے یہ تم نے تو ہے کیا کیا نہ کیجے گا
 ہو غم دیر شاہد کعبہ سے پھر کر اپنا
 قید خود میں رہتے آتے نہیں نظر ہم
 پر میناں سے ہو کر تب سرخ و ملیں گے
 بیگانہ دش ہے گروہ تو ہی ہمارا ڈھب کا
 محنت پر اپنی تھی خود فطرت گواہ اپنی
 کچھ کذب افترا ہے کچھ کذب حق نا ہے
 یہ ہے بضاعت اپنی اور یہ ہے دفتر اپنا
 خیروں کو لینے آخرا پنا بنا کے کیا ہم
 اپنوں ہی سے ہر حالی کچھ دل کڈ رہا پنا
 معنی کا تم نے حالی دریا اگر بہا یا
 یہ تو بتائیں حضرت! کچھ کر کے بھی دکھایا
 اے بانگِ طبل شاہی دن ہو گیا جب آخر
 خواب گراں سے تونے ناعی ہمیں جگایا
 تھا ہوش یا دگل کا دورِ خزاں میں کسکو
 اے عندلیبِ نالان یہ تونے گل کھلایا
 دیراں ہے باغِ تیرے پھولی نہیں سہائی
 مژدہ صبا نے یا رب طبل کو کیا سنایا؟

اے عشقِ دل کو رکھا دنیا کا اور نہ دیں کا
 گھر ہی بگاڑ ڈالا تو نے بنا بنا یا
 ڈرتے رہیں گے اب ہم بجرم بھی سزا سے
 احسان اُس کا جس نے ناعق ہمیں ستایا
 واعظ کی جھوٹوں سے قائل تو ہو گئے ہم
 کوئی جوابِ شافی پر اُس سے بڑ نہ آیا
 آیا نہ تھا کبھی یاں گویا تمام خزاں کا
 دُورِ دُن میں یوں پلٹ دی کس نے چمن کی کایا
 تقلیدِ قوم ہی پر گرہے مد ایرِ تحسین
 تو ہم نے دوستوں کی تمہیں سے ہاتھ اٹھایا
 دیکھا تو کچھِ نظر میں حالیِ حُجبانہ اپنی
 جو جو گمان تھے ہم کو اُن کا نشان نہ پایا
 نفسِ دعویٰ بیگناہی کا سدا کرتا رہا
 حق نے احساں میں نہ کی اور میں نے کفر میں رہا
 چورِ بک دیدہ و دل کی نہ شرایا کبھی
 طاعتوں کی زُود سے بچ بچ کر چلا راہِ خطا
 نفس میں جو ناروا اُٹھ اُٹھ ہوئی پیدا کبھی
 منہ نہ دیکھیں دوست پھر میرا اگر جانیں کہ میں
 تمہا نہ استحقاقِ تحسین پرستی نہیں سدا
 شہرت اپنی جس قدر بڑھتی گئی آفاق میں
 ایک عالم سے وفا کی تو نے اسی حالیِ فکر

گرچہ اُترے جی سے دل اکشر آبا کرتا رہا
 وہ عطا کرتا رہا اور میں خطا کرتا رہا
 چپکے چپکے نفسِ خائن کا کسا کرتا رہا
 دار اُن کا اس لئے اکشر خطا کرتا رہا
 اُس کو چیلے دل سے گھر گھر کر دیا کرتا رہا
 اُن سے کیا کہتا رہا اور آپ کیا کرتا رہا
 حق ہو جو دُورِ ہستی کا وہ ادا کرتا رہا
 کبرِ نفس اتنا ہی یاں نشو و نما کرتا رہا
 نفس پر اپنے سدا ظلم و جفا کرتا رہا

کہیں لہام منوانا پڑے گا ۱ کہیں کشت اپنا جھلانا پڑے گا
 ہنر صوفی تھا گو تجھ میں لیکن ۲ کرشمہ کوئی دکھلانا پڑے گا
 "نصیحت ہے اثر ہے گرنہ ہو درد" یہ گزناصح کو بھلانا پڑے گا
 جنہیں ہو بھوٹا کو بیچ کر دیکھنا انہیں سچوں کو بھلانا پڑے گا
 عوام الناس کا ہوگا جنہیں نصیحت انہیں خاصوں پہنچانا پڑے گا
 رہے وصفِ جناب کی مشق و اعطاف تھیں سچوں کو بھلانا پڑے گا
 سخن میں پیروی کی اگر سلف کی انہیں باتوں کو دھرا پڑے گا
 تعلق کا ہے چننا پیچ در پیچ ۱ قطعہ یہ عقارہ ہم کو بھلانا پڑے گا
 بہت یاں ٹھوکریں کھائی ہیں تھنے ۲ بس اب دنیا کو ٹھکرا پڑے گا
 ہمیں بوائش کی اس نگاہ میں ۳ کہیں دل جاسکے بھلانا پڑے گا
 دل اب صحبت کو سوں بھاگتا ہے ۴ ہمیں یاروں سے شرنا پڑے گا
 زمانہ کر رہا ہے قطع پیوند ۵ وفا سے ہم کو بھٹانا پڑے گا
 جو منصوبے ہیں یہ حالی ۶ تو شاید ارادہ منہ منہ پڑے گا
 "بشر ہلو میں دل رکھتا ہے جب تک
 اسے دنیا کا غم کھانا پڑے گا"

سخن پر ہمیں اپنے رونا پڑے گا یہ دفتر کسی دن ڈبونا پڑے گا
 عزیز و کہاں تک یہ آتش مزاجی تھیں جلد تر خاک ہونا پڑے گا
 رہا دوستی پر نہ تکلیف کسی کی بس اب دل کو شک و دل کو دھونا پڑے گا
 بن آئیگی ہرگز نہ یاں کچھ کے بن جو کچھ کاٹنا ہے تو بونا پڑے گا
 ہوئے تم نہ سیدھے جوانی میں حالی
 مگر اب مری جان ہونا پڑے گا

کب تک اسے ابر کرم ترسائے گا میٹھ بھی رحمت کا کبھی برسائے گا
پھل کچھ اسے نخل و فاجتھ میں نہیں جو لگا لگا تھے پھتائے گا
دوست کا آیا ہی سمجھو اب پیام آج اگر آیا نہیں کل آئے گا
ذوق سب جا رہے جز ذوق درد اک یہ لپکا دیکھے کب جائے گا
واعظ آتا ہے تو آئے دو آئے ۱ پر مزا آئے گایاں کیا پائے گا
آئے گا اور ہم کو شراب ایگامفت ۲ اور خود شرمندہ ہو کر جائے گا
عیت خالی نہ واعظ ہے نہ تم ۳ ہمہ منہ آئے گا منہ کی کھائے گا
دل کے یو رہی کہہ دیتے تھے صا رنگ یہ دیوانہ اک دن لائے گا
بان و صحر میں رہے چونگ دل جی نفس میں اسکا کیا گھبرائے گا
رنگ گردوں کا ہر کچھ بڑا ہوا ۱ قطع شدہ تازہ کوئی د کسلائے گا
ابر و برق آئے ہیں دونوں ساتھ ساتھ ۲ دیکھے برے گایا برسائے گا

مشکلوں کی جکوبے حالی خبر

مشکلیں آساں وہی فرمائے گا

واں اگر جائیں تو لیکر جائیں کیا منہ اُسے ہم جا کے یہ دکھلائیں کیا
دل میں باقی ہے وہی حرص گناہ پھر کئے سے اپنے ہم پچھتائیں کیا
آؤ لیں اس کو ہمیں جا کر منا اس کی بے پروائیوں پر جائیں کیا
دل کو مسیّر سے نہ مندر سے ہے انس ایسے وحشی کو کہیں بہلائیں کیا
جانتا دینا کو ہے اک کھیل تو کھیل قدرت کے تجھے دکھلائیں کیا
عمر کی منزل تو جوں توں کٹ گئی مرے اب دیکھیے پیش آئیں کیا
دل کو سب باتوں کی ہے ناصح خبر سچے سمجھائے کو بس سمجھائیں کیا

مان لیجے شیخ جو دعوائے کرے
 اک بزرگ دین کو ہم جھٹلائیں کیا
 ہو چکے حالی غزلخوانی کے دن
 راگنی بے وقت کی اب گائیں کیا
 کاش اک جام بھی سالک کو پلایا جاتا
 اک چراغ اور سر راہ جلا یا جاتا
 کر دیا اس نے تو اللہ سے غافل ناصح!
 اس کو کیوں بھولتے گر اس کو بھلایا جاتا
 چپ چپاتے اس دے اے دل اک بات پر ہم
 مال منگا نظر آتا تو چکایا جاتا
 شب کو زاہد نہ مٹا بھیر ہوئی خوب ہوا
 نشہ زوروں پہ تھا شاید نہ چھپایا جاتا
 دل کو یہ تو نے دکھایا ہی کہ دکھ جاتا ہے
 چیونٹی کا بھی اگر دل ہے دکھایا جاتا
 نامہ بزرگ بھی خط لیکے نہ آیا یا رو
 تم تو کہتے تھے کہ وہ ہے ابھی آیا جاتا
 عشق اس وقت سہر پڑی مٹا لانا تھا
 گودیوں میں تجھے تھا جب کہ کھلایا جاتا
 لوگ کیوں شیخ کو کہتے ہیں کہ عیار سودہ
 اس کی صورت تو ایسا نہیں پایا جا
 بارہا دیکھ چکے تیرے فریب اے دنیا
 ہمے اب جان کے دھوکا نہیں کھایا

کرتے کیا ہوتے اگر نہ عشا سے تا صبح

وقت فرصت کا یہ کس طرح گنوا یا جاتا

دل نہ طاعت میں لگا۔ جب لگایا غم عشق

کسی دھندے میں تو آخر یہ لگایا جاتا

اُس نے اچھا ہی کیا حال نہ پوچھا دل کا

بھڑک اٹھتا تو یہ شعلہ نہ دہایا جاتا

عشق سُنتے تھے جے ہم وہ یہی ہے شاید

”خود بخود دل میں ہے اک شخص سہایا جاتا“

اب تو تکفیر سے داعظ نہیں ہوتا حالی

کہتے پہلے سے تو دے لیکے ہٹایا جاتا

راحت کا جہانیں یوں نہیں اک نام ہو گیا راحت کی تلاش اک طمع خام ہو گیا

کچھ کرتے ہیں جو یاں وہی انگشت ناہیں بدنام ہی دنیا میں بکو نام ہے گویا

ناچیز ہیں وہ کام۔ نہیں جبہ کچھ الزام جو کام ہیں۔ انکا یہی انجام ہے گویا

ہر وقت ریل اور وہی عشرت کی ہر سان آخر ہوئی رات اور ابھی با شام ہے گویا

اٹھا تھا کچھ اڈل ہی سے یہ دردِ بری طرح آغاز ہی الفت کا بس انجام ہے گویا

آداب بھی دیکھو گے جہاں پاؤ گے اسلام اسلام کا آداب بھی اک نام ہے گویا

جب دیکھے حالی کو پڑا پائے بیکار

کرنا اُسے باقی یہی اک کام ہے گویا

خلوت میں تری صوفی گر نورِ صفا ہوتا تو سب میں ہلا رہتا اور سب جدا ہوتا

تھا آفتِ جان اسکا اندازِ کمانداری ہم بچکے کہاں جاتے گر تیر خطا ہوتا

کچھ اپنی حقیقت کی گر تب کو خبر ہوتی میری ہی طرح تو بھی غیروں سے خفا ہوتا

یہ طفت بناوٹیں دیکھانہ سنا قاصد
 باتوں میں شکایت کی بوا آتی ہو آفت کی
 ہم روزِ دواع اُس سے ہنس سہنس کے ہوئے نصرت
 رونا تھا بہت ہکڑو تے بھی تو کیا ہوتا
 گر صاحبِ دل تھے سن کر مری بیتابی
 تم کو بھی قلع ہوتا اور مجھ سے سوا ہوتا
 جو دل پہ گزرتی ہے کیا تجھ کو خبرِ ناصح
 کچھ ہم سے سنا ہوتا پھر تو نے کہا ہوتا
 جو جانِ درگزرِ دو وہ چاہے سو کر گزرے
 گر آج نہ تم آتے کیا جانے کیا ہوتا

کل حالی دیوانہ کہتا تھا کچھ افسانہ
 سننے ہی کے قابل تھا نے بھی سنا ہوتا

پیش از ظہورِ عشق کسی کا نشان نہ تھا

تھا حسنِ میزبان کوئی میہان نہ تھا

ہم کو بسا میں بھی سرگستاں نہ تھا

یعنی خزاں سے پہلے ہی دل شادمان نہ تھا

رہتے ہی اُن کے بھول گئیں کلفتیں تمام

گویا ہمارے سر پہ کبھی آسماں نہ تھا

کیا جانتے تھے جا بگاجی اک نگاہ میں

تھی دل کی احتیاط گر پیمِ حباں نہ تھا

بیچ ہے کہ پاسِ خاطرِ نازک عذاب ہے

تھا دل کو جب فراغ کہ وہ مرہبان نہ تھا

کچھ میری بیخودی سے تمہارا زیاں نہیں

تم جانتا کہ ہزم میں اک خستہ جان نہ تھی

رات اُن کو بات بات پہ سو سو دیے جواب

مجھ کو خود اپنی ذات سے ایسا لگاں نہ تھا
 رونا ہر یہ کہ آپ بھی ہنستے تھے درنہیاں
 طعن رقیب دل پہ کچھ ایسا گراں نہ تھا
 تھا کچھ نہ کچھ کہ پھانسی سی اک دل میں چھ گئی
 مانا کہ اس کے ہاتھ میں تیر و سناں نہ تھا
 بزمِ سخن میں جی نہ لگا اپنا زینہار
 شبِ انجمن میں حالی جاؤ بیاں نہ تھا

ن

ریخ اور ریخ بھی تنہائی کا وقت پہ پتھاری رسوائی کا
 عمر شاید نہ کرے آج دفا کاٹنا ہے شبِ تنہائی کا
 تم نے کیوں وصل میں پہلو بدلا کس کو دعویٰ ہے شکیبائی کا
 ایک دن راہ پہ جا پونچے ہم شوق تھا باد یہ پیائی کا
 اُس سے نادان ہی بن کر ملے کچھ اجارہ نہیں دانائی کا
 سات پر دو نہیں نہیں ٹھہرتی آنکھ حوصلہ کیا ہے تماشائی کا
 درمیان پائے نظر ہے جب تک ہم کو دعویٰ نہیں بیسائی کا
 کچھ تو ہے قدر تماشائی کی ہے جو یہ شوق خود آرائی کا
 اُسکو چھوڑا تو ہے لیکن اے دل مج کو ڈر ہے تری خودائی کا
 بزمِ دشمن میں نہ جی سے اترتا پوچھنا کیا تری زیبائی کا
 یہی انجام تھا اسی فضل خواں؟ نکل و میل کی شناسائی کا
 مدد اے جذبہ توفیق کہیاں ہو چکا کام تو انائی کا
 محتبِ عذر بہت ہیں لیکن اذن ہسکو نہیں گویائی کا
 ہونگے حالی سے بہت آوارہ گھر ابھی دور ہے رسوائی کا

انماض چلتے وقت مُرّت سے دُور تھا

رود کے ہم کو اور رُلانا ضرور تھا

تھی ہر نظر نہ محرم دیدار ورنہ یاں

ہر خار نخلِ ایمن و ہر سنگِ طور تھا

رود کہ لب پہ راز دل آیا نہ تھا ہنوز

چرچا ہمارے عشق کا نزدیک و دُور تھا

جانی نہ قدرِ رحمتِ حق پارسانے کچھ

ٹھہرا قصور وار اگر بے قصور تھا

دُروسی کشانِ بریمِ مغان کا نہ پوچھ حال

ایک ایک زندہ نشہ وحدت میں پُور تھا

اب باریابِ انجمنِ عام بھی نہیں

وہ دل کہ خاصِ محرمِ بنیمِ حضور تھا

رودِ دواع بھی شبِ ہجراں سے کم نہ تھا

کچھ صبح ہی سے شامِ بلا کا طور تھا

بیمار کی تو اپنے نہ لے کچھ خبر

بہرِ سازِ نقش پہ آنا ضرور تھا

حالی کو ہجر میں بھی جو دیکھا تو شادماں

تھا عرصہ اُسی کا کہ اتنا صبر تھا

۱۔ اس غزل کے متعلق پیغم صاحب کی جبریّۃ ص ۸۹ سے یہ دو شعر ہم کو ملے ہیں جو دیوان میں نہیں تھے۔ لہذا یہ دونوں یہاں حاشیہ پر درج کر دیے جاتے ہیں (اسماعیل)

کیونکہ کہوں کہ تم مرے مرنے سے شاد تھے

زاہد کو گر عبادت و تقویٰ پہ تھا گمنام

چہرہ تھا کیوں اوداس جو دلیسِ سحر و رتھا

تھیں بھی افعال پہ اپنے غم و رتھا

دل سے خیال دوست بھلایا نہ جائے گا
 تم کو ہزار شرم سہی مجھ کو لاکھ ضبط
 اے دل رضا غیر ہے شرط رضا دوست
 دیکھی ہیں ایسی آن کی بہت مہربانیاں
 نے تند و ظرف حوصلہ اہل نرم تنگ
 راضی ہیں ہم کہ دوست ہو دشمنی - مگر
 کیوں چھپتے ہو ذکر نہ ملنے کارات کے
 بگڑش بات بات پہ کیوں جانتے ہیں وہ
 رہتا ہے آپ سے تو نہیں حشر پر
 مقصود اپنا کچھ نہ کھلا لیکن اس قدر
 سینے میں داغ ہو کہ مٹایا نہ جائے گا
 الفت وہ راز ہے کہ چھپایا نہ جائے گا
 زہارِ بارِ عشق اٹھایا نہ جائے گا
 اب ہم سے منہ میں موت کے جایا نہ جائے گا
 ساقی سے جام بھر کے پلایا نہ جائے گا
 دشمن کو سہے دوست بنایا جائے گا
 پوچھیں گے ہم سبب - تو بتایا نہ جائے گا
 ہم وہ نہیں کہ ہم کو مٹایا نہ جائے گا
 کس کس سے اختلاطِ بربایا نہ جائے گا
 یعنی وہ ڈھونڈتے ہیں جو پایا نہ جائے گا
 جھگڑوں میں اہل دین کے نہ حالی ٹپیں ہیں آپ
 قصہ حضور سے یہ چکایا نہ جائے گا

قلن اور دل میں سوا ہو گیا
 دکھانا پڑے گا مجھے زخمِ دل
 سبب ہو نہ لوگت پہ آنا ضرور
 وہ امید کیا جس کی ہوا نہ تھا
 ہوا رکتے رکتے دمِ آخر فنا
 نہیں بھولتا اسکی رخصت کا وقت
 سماں کل کا رہ رہ کے آتا ہی یاد
 سمجھتے تھے جس غم کو ہم جاگزا
 ندے میری امید مجھ کو جواب
 دلاسا تمھارا بلا ہو گیا
 اگر تیرا اس کا خطا ہو گیا
 میرا شکر اس کا کلمہ ہو گیا
 وہ وعدہ نہیں جو وفا ہو گیا
 مرضِ بڑھتے بڑھتے دوا ہو گیا
 وہ رورو کے ملنا بلا ہو گیا
 ابھی کیا تھا اور کیا سی کیا ہو گیا
 وہ غم رفتہ رفتہ غذا ہو گیا
 رہے وہ خفا گر خفا ہو گیا

ٹپکتا ہے اشعارِ حالی سے حال

کہیں سادہ دل مبتلا ہو گیا

سنگِ گراں ہوا میں تمکینِ یار کا اب دیکھنا ہے زورِ دلِ بقیار کا
اک خوشی ہو گئی ہر تحمل کی ورنہ اب وہ وصلہ رہا نہیں صبر و ترار کا
اوشا بھی دو غلشِ آرزو سے قتل کیا اعتبارِ زندگی مستعار کا
ہم خوش کبھی ہوئے ہوں تو غم ناگوار ہو لیتا نہیں محسوسِ گلہ روزگار کا
سمجھو مجھے اگر تمہیں ہے آدمی کی قدر میرا اک التفات نہ مرنا ہزار کا
گر صبح تک وفانہ ہوا وعدہ وصال سن لیں گے وہ آلِ شبِ انتظار کا
اب محو ہوئے گل پہ ہوا کب دلِ خیز ہم کو چمن سے یاد ہے جانا ہزار کا
ہرمت گردنِ قائمِ لیے بلند ہے پہونچے جو وصلہ ہو کسی شہسوار کا
غربت کے مشغولِ وطن کو بھلا دیا خانہ خرابِ خاطرِ لغتِ شعار کا

حالی بس اب یقین ہو کہ دلی کے ہوئے

ہے دترہ دترہ بہرِ نثر اس دیار کا

ب

درو دل کو دوا سے کیا مطلب کیا کو طلا سے کیا مطلب
چشمِ زندگی ہے ذکرِ جمیل خضرِ آبِ بقا سے کیا مطلب
بادشاہی ہر نفس کی تسخیر ظلِ بالِ ہما سے کیا مطلب
جو کینے بھریں گے خود اعظ تم کو میری خطا سے کیا مطلب
جنگِ عبودِ خور و غلاماں ہیں ان کو زہدِ خدا سے کیا مطلب
کامِ ہمدردی سے انسان کی قطعہ زہد یا انقا سے کیا مطلب
ہو اگر زندہ امن آلودہ ۲۵ ہم کو چون و چرا سے کیا مطلب

صوفی شہزادہ صفا ہے اگر ۳ ہو۔ ہماری بلا سے کیا مطلب
نگہت نے پہ غش ہیں جو حالی
۴ اُن کو رُودِ صفا سے کیا مطلب

ق مجھ میں وہ تاپ ضبطِ شکایت کہاں ہے اب
چھڑو نہ تم کہ میرے بھی منہ میں زباں ہو اب
وہ دن گئے کہ عرصہ ضبطِ راز تھا
ہرے سے اپنے شورِ پیش پہاں حیاں ہے اب
جس دل کو قیدِ ہستی دُنیا سے تنگ تھا
وہ دل اسیرِ حلقہ زلفِ بتاں ہے اب
آنے لگا جب اس کی تنائیں کچھ مزا
کہتے ہیں لوگ "جان کا اسیں زیاں ہو اب"
نعرِ شہزادہ ہوا ہے حسینوں کا التفات
اسے دل سنبھل۔ وہ دشمن دیں مہرباں ہو اب
اک جُرمِ شراب نے سب کچھ بھلا دیا
ہم ہیں اور آستانہ پیرِ مٹھاں ہے اب
ہے دقتِ نزع اور وہ آیا ہمیں ہنوز
ہاں جذبِ دل مدد کہ دم امتحاں ہے اب
ہے دل غم جہاں سے سبکدوش بندوں
سرِ پُتیاں سو جھٹا کوئی بارگاہ ہے اب
حالی تم اور ملازمت پر ہے فروزش
وہ علم دیں کہ ہر جہہ وہ تقویٰ کہاں ہو اب

پ

یہ ہیں واعظ سب پہ منہ آتے ہیں آپ نامح قوم اسپہ کھلاتے ہیں آپ
 بس بہت طعن و ملامت کر چکے کیوں زباں رنندوں کی کھلاتے ہیں آپ
 ہے صراحی میں ہی لذت کہ جو چڑھ کے منبر پر مزا پاتے ہیں آپ
 داغظیرا ہے اُن کو شرمناگسناہ ۱ جو گنہ سے اپنے شرماتے ہیں آپ
 کرتے ہیں اک اک کی تکفیر آپ کیوں؟ ۲ اسپہ بھی کچھ غور فرماتے ہیں آپ
 کرتے ہیں آباد و وزخ کو حضور خلد کو دیران کر داتے ہیں آپ

چھتر کر داغظ کو حالی - خلد سے
 بستر کیوں اپنا پھکواتے ہیں آپ؟

ت

گو جوانی میں تھی کجسرائی بہت پر جو الی ہم کو یاد آئی بہت
 دیر برقع تو نے کیا دکھلادیا جمع ہیں ہر سو تماشائی بہت
 بہت یہ اسکی اور پین جاتے ہیں دل راس ہو کچھ اسکو خود آئی بہت
 سر و پاگل آنکھ میں نہتے نہیں دل پہ نقش اسکی رعنائی بہت
 چور تھا زخموں میں اور کہتا تھا حُرّا راحت اس تکلیف میں آئی بہت
 آ رہی ہے چاہ یوسف سے صدا دوست یاں تھوڑی ہیں بھائی
 وصل کے ہو ہو کے ساماں رہ گئے سینہ نہ برسا اور گھٹا چھائی بہت
 جان نزاری پرہ بول اٹھے مری جس میں خدائی کم تماشائی بہت
 ہم نے ہر ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا خاکساری اپنی کام آئی بہت
 کر دیا چٹ اوقات و عمر نے تھی کبھی ہم میں بھی گویائی بہت
 گھٹ گئیں غوغا تلخیاں آیام کی؟ یا گئی کچھ بڑھ شکیبائی بہت

ہم نہ کہتے تھے کہ حالی چُپ رہو
 راست گوئی میں ہے رسوائی بہت
 اُسکے جاتے ہی یہ کیا ہو گئی گھر کی صورت
 نہ وہ دیوار کی صورت ہے نہ دُر کی صورت
 کس سے بیان وفا باندھ رہی ہے لیل
 گل نہ پہچان سکے گی گل تڑکی صورت
 ہے غم روز جدائی نہ نشا و شب وصل
 ہو گئی اور ہی کچھ شام و سحر کی صورت
 اپنی جیوتس میں سارے نمازی ہشیار
 اک بزرگ آتے ہیں مسجد میں خضر کی صورت
 دیکھئے شیخ مصور سے کچھ یا نہ کچھ
 صوٹ۔ اور آپ بے عیب بشر کی صورت
 داغ و آتش دوزخ سی جاں کو تم نے
 یہ ڈرایا ہے کہ خود بن گئے دُر کی صورت
 کیا خبر زائد قانع کو کہ کیا چیز ہے حرص
 اُس نے دیکھی ہی نہیں کیسے دُر کی صورت
 میں بچا تیر حوادث سے نشانہ بن کر
 اڑے آئی مرے تسلیم سپر کی صورت
 شوق میں اُسکے فرازدوز میں اُس کے لذت
 ناصح اس سے نہیں کوئی مفر کی صورت
 علم اپنے پہ بھی اک۔ بعد ہر میت ہے ضرور

رہ گئی ہے یہی اک فتح و ظفر کی صورت
 رہتاؤں کے ہوئے جاتے ہیں اوسانِ خطا
 راہ میں کچھ نظر آتی ہے خطر کی صورت
 یوں تو آیا ہے تباہی میں یہ بٹیرا سو بار

پڑ درانی ہے بہت آج بھنور کی صورت
 آنکو حالی بھی بکاتے ہیں گھراپے مہمان
 دیکھنا آپ کی اور آپ کے گھر کی صورت

بناتے ہیں وہ مہربانی کی صورت
 جسے دیکھ کر دل ہو عاشق کا بے کل
 وہ ہے اور ہی مہربانی کی صورت
 شب وعدہ ہے بارِ عام اُنکے در پر
 مرے حق میں اک پاسبانی کی صورت
 غمِ دل نے رسوا کیا ہم کو آخر
 بنائی بہت شاو دمانی کی صورت
 ہر اس ریش پر وشمہ کیا خوب کھلتا
 ذرا دیکھنا شیخ فانی کی صورت
 یقین ہے کہ ہم جس کو سمجھے ہیں مرنا
 یہی ہو تو ہو زندگانی کی صورت
 سبھک کر قتلِ حالی کو دیکھو
 مٹاؤ نہ عشقِ دجوانی کی صورت

ط

تو نہیں ہوتا تو رہتا ہے اچھا
 دل کو یہ کیسی لگا دی تو نے چاٹ
 ریح رہی ہے کان میں یاں لے دی
 اور منہ نے کسی بدے میں ٹھاٹ
 ناؤ ہے بوسیدہ اور مویں میں سخت
 اور دریا کا بہت چکلا ہے پاٹ
 اک کہانی پیرزن کی رہ گئی
 راج کسرے کا رہا باقی نہ پاٹ
 دیر سے مسجد میں ہم آئے تو ہیں
 ہو گریاں جی کچھ اسے زاہد اچاٹ

جو کہ جس کو بنا دین اسے امیر
 ملتیں رستوں کے ہیں سب ہیر پھیر
 برق منڈلاتی ہے اب گس چسپڑ پر
 تیغ میں برش یہ اسے حالی نہیں
 چٹکیاں سی دل میں یہ لیتا ہو کون
 میں بہت سرکار کی محفل میں بھاٹ
 سب جہازوں کا ہے لنگر ایک گھاٹ
 ٹڈیاں کب کی گئیں کھیتی کو چاٹ
 جہد ریتری زباں کرتی ہو کاٹ
 شعر تو ظاہر میں ہیں تیرے سپاٹ

ش

باپ کا ہے جی سپرد ارث
 گھر ہنرور کا نا خلفت نے لیا
 فاقہ ہو کہاں سے میت کی
 لیگے ڈھوکے سیم و زر وارث
 ہوں اگر ذوق کسب سے آگاہ
 کریں میراث سے حذر وارث
 خاک کرمان گورو خویش و تبار
 ایک میت اور اس قدر وارث
 واعظ دین کا خبر احاطہ
 انبیاء کے ہو تم اگر وارث
 قوم بے پرہے دین بکس ہے
 گئے اسلام کے کدھر وارث
 ہم پہ بیٹھے ہیں ہاتھ دھو کر حریف
 جیسے مردہ کے مال پر وارث
 ترکہ چھوڑا ہے کچھ اگر حالی

کیوں ہیں میت پہ نوہ گردوارث

بھید واعظ اپنا کھلا دیا عبث
 دل جلوں کو تو نے گرایا عبث
 جلوہ صوفی نے نہ دکھلایا کوئی
 رات ہریاروں کو چھوایا عبث
 شیخ زندوں میں بھی ہیں کچھ پاکباز
 سب کو ملزم تو نے ٹھیرایا عبث
 کوئی پتھی آ کے اب پچھتا نہیں
 آپ نے جال اپنا پھیلا دیا عبث
 آنکھ تھکے کبھی مسجد میں ہسم
 تو نے زباں ہم کو شرمایا عبث

کھیتیاں جھک رہیں یارو نکلی خاک
اب رہے گھر کر ادھر آیا عبث
قوم کا حالی نہیں ہے محال
تم نے رو رو سب کو روایا عبث

ج

بات کچھ ہم سے بن نہ آئی آج بول کر ہنسنے منہ کی کھائی آج
چُب پر اپنی بھرم تھے کیا کیا کچھ بات بگڑی بنی بنائی آج
شکوکہ کرنے کی کُفونہ تھی اپنی پر طبیعت ہی کچھ بھرائی آج
بزم ساقی نے دی الٹ ساری خوب بھر بھر کے خم لٹھائی آج
معصیت پر ہے دیر سے یارب قطعہ لفس اور شرع میں لٹائی آج
غالب آتا ہے لفس دوں یا شرع ۲ دیکھنی ہے تری خدائی آج
چور ہے ولیں کچھ نہ کچھ یارو نیند پھر رات بھر نہ آئی آج
کل یہاں کاروبار میں سب بند کر لو کوئی ہے جو کمائی آج
زور سے الفت کی بیج کے چلنا تھا

مفت حالی نے چٹ کھائی آج

تلخی دور اس کے ہیں سب شکوکہ سنج یہ بھی ہوا رو کوئی رنجوں میں رنج
ریخ و شادی یاں کے ہیں سب بڑبڑات اور اگر سوچو تو مشادی ہونہ رنج
حقا قناعت میں نہاں گنج نزار پر ہمیں بے وقت ہاتھ آیا یہ رنج
فکر و سن بڑھتے تھے شاید ساتھ ساتھ ہیں وہ اب پنجاہ جو پہلے تھے رنج
ہم کو بھی آتا تھا ہنسا بولنا جب کبھی جیتے تھے ہم اسے بذلہ رنج
آگئی مرگِ طبعی ہم کو یا د شاخ سے دیکھا جو خود گر تار رنج

راہ اب یہ بھی ہے حالی کے سودوست
جو چکے طے سب جسم و پیچ و شکنج

پنج

بزم نے اچھی ہے۔ گو دنیا ہے اے میخوار پنج
 یاں سمجھ لیتے تو ہیں دنیا کو دم بھر بار پنج
 نفس سے سربر ہوئی دانش نہ صبر و عقل و ہوش
 ایک دشمن بر سر کیں ہو تو ہیں سب بار پنج
 شیخ جو نخلص ہیں وہ رکھتے نہیں کچھ امتیاز
 ہو یہ سب اپنی دوکان اور رونق باز بار پنج
 شاہ معنی کو آرایش کی کچھ حاجت نہیں
 سجدہ و سجادہ پنج اور جسد و ستار پنج
 ہو گرجے جقدر اتنے برستے تم نہیں
 اے فصیحو! ہے یہ سب گفتار بے کردار پنج
 ردی تو آٹھ آٹھ آٹھ اور سپجاول نہ ایک
 نکلے موتی تیرے سببا و حشیم گو ہر بار پنج
 خوان نعمت نے ترے اے عامل مردار خوار
 کر دیے آفاق کے سب ان و خواں سالار پنج
 ہے ادب سند پہ۔ جو کچھ ہے رئیس شہر کا
 ہٹ کے من سے جو خود دیکھیں تو ہیں سرکار پنج
 گو کہ حالی اگلے استادوں کے آگے پہنچ جو
 کاشش ہوتے ملک میں ایسے ہی اب چار پنج
 ح
 کاٹے دن زندگی کے ان یگانوں کی طرح

جو سدا رہتے ہیں چوکس پاسبانوں کی طرح
 منزلِ دنیا میں ہیں پا در رکاب آٹھوں پہر
 رہتے ہیں حمان سرا میں میمانوں کی طرح
 سعی سے اکتاتے اور محنت سے کنیتا نہیں
 بھیلے ہیں سختیوں کو سخت جانوں کی طرح
 رسم و عادت پر ہیں کرتے عقل کو فرمانروا
 نفس پر رکھتے ہیں کوڑا حکمرانوں کی طرح
 شادمانی میں گذرتے اپنے آپ سے نہیں
 غم میں رہتے ہیں شگفتہ شادمانوں کی طرح
 رکھتے ہیں تکیں جوانی میں بڑھاپے سے سوا
 رہتے ہیں جو خال پیری میں جوانوں کی طرح
 پاتے ہیں اپنوں میں غیروں سے سوا بیگانگی
 پر بھلا تکتے ہیں ایک اک کایگانوں کی طرح
 اس کھیتی کے پنبے کی اٹھیں ہو یا نہ ہو
 ہیں اسے پانی دیے جاتے کسانوں کی طرح
 ان کے غصے میں ہے دلسوزی ملامت میں ہو یا نہ
 مہربانی کرتے ہیں نامہربانوں کی طرح
 کام سے کام اپنے ان کو - گو ہو عالم نکستہ چین
 رہتے ہیں بقیں دانتوں میں زبانوں کی طرح
 طعن سن احمقوں کے شستے ہیں دیوانہ دار
 دن بسر کرتے ہیں دیوانوں میں سیانوں کی طرح

کیجیے کیا حالی - نہ کیجیے سادگی گرا اختیار
بولسا آئے نہ جب رنگیں بیانوں کی طرح

ح

نئے مٹاں کا ہر چمکا اگر بُرا ہے شیخ تو ایسی ہی کی چاٹا اور دے لگا ای شیخ
ریا کو صدق سے ہر جام مے بدل دیتا تھیں بھی ہو کوئی یاد ایسی کیما اے شیخ
وہ نکلے بھان بتی جو بناتے تھے اکیر تماشے دیکھے ہیں یہ تہنے بار ہا اے شیخ
غور فقر و غرور غنا میں نہ سرق ہو کیا؟ بھٹی پہ رکھتے ہیں ہم منحصر تبا اے شیخ؟
زباں پہ ہوتی ہے مہر انکی جو میں محرم راز پھر ایسا کجیو بہرگز نہ ادعا اے شیخ
خبر بھی ہو تھیں؟ کیا بن رہی ہو بیڑے پر قطع ہیں آپ جون بیڑے کو نا خدا اے شیخ؟
وہ ڈوٹوں سے الگ تھے میں جج ہیں تیرا ک شادری کا ہی گری۔ مر جا اے شیخ
گورن و گورین بچپن سے تار کب دینا نہایت آپ کی ہے۔ اُن کی ابتدا اے شیخ
گمال حسن عقیدت سے آیا تھا حالی
پہ خانقاہ سے افسردہ دل گیا اے شیخ!

د

شادی کے بعد غم ہے فقیر ہی غنا کے بعد اب خوف کو سوا ہر دھرا کیا جا کے بعد
ہو سامنا بلا کا پس از عافیت ضرور ہوتی ہے عافیت کی توقع بلا کے بعد
تغزیر جرم عشق ہے بے صرفہ محاسب بڑھتا ہے اور ذوق گنہ یاں سزا کے بعد
گرد و دل سے پائی بھی اے چارہ گر شفا آتی ہے دل کی موت نظر اس شفا کے بعد
یاد خدا میں جب نہ کسی دل سے اسکی یاد آگے خدا کا نام ہے ناصح خدا کے بعد
کرتے رہے خطائیں ندامت کے بعد ہم ہوتی رہی ہمیشہ ندامت خطا کے بعد
آخر کو ماننا پڑا اے نفس خیرہ سر نیز ابھی حکم کم نہیں حکم قصا کے بعد

دُرت سے تھی دعا کہ ”ہوں بدنام شہر شہر“ بارے ہوئی قبول بہت التجا کے بعد

حالی کی سن لا اور صدائیں جگر خراش

دلکش صدائوں کے نہ پھر اس صدا کے بعد

کہیں خوف اور کہیں غالب ہو رہا ہے زاہد

یہ اقبل ہے جد امیر جد اسے زاہد

درگزر گرہنیں کو تا وہ گہنگاروں سے

تو ترا اور کوئی ہو گا خدا سے زاہد

ہم دکھاویں گے کہ زہد اور ہے نیکی کچھ اور

کچھ بہت دُور نہیں روزِ جزا سے زاہد

قرب حق کے لئے کچھ سوزِ نہاں بھی ہو ضرور

خشک نفلوں میں دھرا کیا ہے بھلا اسے زاہد

میں تو توبہ باریلوں دل نہیں بے تاقم سے

تو ہی کہہ اس میں ہے کیا میری خطائے زاہد

جالِ صَبِیک ہے یہ پھیلا ہوا دینِ رادی کا

فکرِ دنیا کا کرے تیری بلا سے زاہد

عیبِ حالی کے بہت آج کئے تو نے بیان

ذکر کچھ اور کہ اب اس کے سوا اسے زاہد

و

پیا س تیری بُوے ساغر سے لذت بلکہ جامِ آب کوثر سے لذت

جس کا تو قاتل ہو پھر اس کے لئے کوئی نعمت ہے خنجر سے لذت

لطف ہو تیری طرف سے یا عتاب ہو کہ ہے سب شہد و شکر سے لذت

لذت شیریں تر ہی پہلی نگاہ
بھانجھ میں جس بھوک کی بھوکے نہ تو
دوسری قند مکر سے لذت
بھوکا ہے وہ شیر مار سے لذت
ہے یہ بھج میں کس کی بوباساے صبا
بوسے بید مشک و عنبر سے لذت
جوتاعت کے ہیں حالی مہمان
ان کو فاقے ہیں فرغ سے لذت

ہے یہ تکیہ تر ہی عطاؤں پر
رہیں نا آشنا زمانہ سے
وہی اصرار ہے خطاؤں پر
حق ہے تیرا یہ آشناؤں پر
رہ رو باخبر ہو کہ گمان
سے وہ دیر آشنا تو عیب ہو کیا
مرے میں ہم انہیں اداؤں پر
اڑتے پھرتے ہیں جو ہواؤں پر
اُسکے کوچ میں ہیں ہلے پڑ بال
دقت ہے یاں برہنہ پاؤں پر
شہسواروں پہ بند ہے چور راہ
مینہ برستا ہے جو گداؤں پر
نہیں منع کو اس کی بوند نصیب
زادوں پر نہ پارساؤں پر
انہیں محدود بخششیں تیری

حق سے درخواست عفو کی حالی

کیجے کس منہ سے ان خطاؤں پر

کرتے ہیں تو تو طرح سے جلوہ گر
جانتے ہیں آپ کو پرہیز گار
ایک ہوتا ہے اگر ہم میں ہنر
عیب کوئی کر نہیں سکتے اگر
دست اُسکے ہیں نہ اُسکے آشنا
گو بظاہر سب ہیں شیر و شکر
خصلتیں رو بہا کی رکھتے ہیں ہم
گو دکھاتے آپ کو ہیں شیر نہ
اپنی نیکی کا دلاتے ہیں یقین
کرتے ہیں نفرت بدی سے جقدر
کرتی پڑتی ہے کسی کی مدح جب
کرتے ہیں تقریر اکثر مختصر

گر کسی کا عیب سن پاتے ہیں ہم
 کی نہیں جس سے کبھی کوئی بدی
 ایک رنجش میں بھلا دیتے ہیں سب
 عیب کچھ گنتے نہیں اس عیب کو
 خیر کا جو تارے ظن غالب جہاں
 بنتے ہوں یاروں کے ناصح تاکہ ہو
 دوست اک عالم کے پر مطلب کو دوست
 ایسے یاروں کے حذر یار و حذر

عیب حالی اپنے یوں کہتا ہے کون

خواہش مخمیں ہے حضرت کو نگہ

ہوگی نہ قدر جان کی قربان کئے بغیر
 گو ہو شفا سے یاس پہ جب تک جو دم میں دم
 بگڑی ہوئی بہت ہو کچھ اس بارغ کی ہوا
 آلودہ دہر پر درہوری پر ہے قوم کی
 غرت سے اپنی باروں کو کچھ آڑی ہو ضد
 مشکل بہت ہے گو کہ مٹانا سلف کا نام
 گوئے ہو تند و تلخ پہ ساقی ہے دایرہ با
 تکفیر جو کہ کرتے ہیں اپنا کئے وقت کی
 چھوڑے گا وقت انھیں نہ مسلمان کئے بغیر

حالی کئے گا کاٹنے ہی۔ یہ یہ پتہ بتوں

حل ہوں گی شکلیں نہ یہ آساں کئے بغیر

گھر ہے وحشت خیر اور بستی اُجاڑ ہو گئی ایک ایک گھڑی تجھ پر ہوا

آج تک قصرِ ازل ہے نامتسا م بنا چکی ہے بارہا کھل کھل کے پاڑ
 ہے پہنچنا اپنا چونی ٹمک محال اسے طلب نکلا بہت اونچا پہاڑ
 کھیلنا آتا ہے ہم کو بھی شکار پرہیز زاہد کوئی ٹی ٹی کی آڑ
 دل نہیں روشن تو ہیں کس کام کے سوشبناں میں اگر روشن ہیں جھاڑ
 عید اور نورِ روز ہے سب دل کے ساتھ دل نہیں حاضر تو دُنیا ہے اُجاڑ
 کھیت رستے پر ہے اور رہرو سوار کشت ہے سرسبز اور نیچی ہے باڑ
 باتِ واعظ کی کوئی پکڑ ہی گئی ان دلوں کتر ہے کچھ ہم پر لتاڑ
 تم نے حالی کھول کر ناعزبان
 کر یا ساری خدائی سے بگاڑ

ز

عہد وصال دل نے بھلایا نہیں ہنوز عالمِ مری نظر میں سمایا نہیں ہنوز
 پیغامِ دوست کا کوئی لایا نہیں ہنوز جھوٹکا نسیمِ مصر کا آیا نہیں ہنوز
 لگ جائے دل نہ نزلِ مقصود میں کہیں ہم جسکو دھوڑتے ہیں وہ پایا نہیں ہنوز
 آیا ہوگا اس کو تنہا فل میں کچھ مزا ذوقِ نگاہ ہم نے جتایا نہیں ہنوز
 امین میں آگ لگ چکی اور طورِ حل چکا اس نے نقابِ رخ سے اٹھایا نہیں ہنوز
 یاں دے چکی جوابِ امید جوابِ خط داں نامہ بُرنے بار بھی پایا نہیں ہنوز
 پایا ہے ذوق و شوق میں ہم کو بھرا ہوا کافر نے اخلاطِ بڑھایا نہیں ہنوز
 کیا دل سے بعدِ مرگ بھی جاتی نہ تیری یاد بھولے تھیں کہ کُتھ کو بھلایا نہیں ہنوز
 سرِ ایہِ خلافت دو عالم ہے رازِ دل باتوں میں ہم نے زہر ملایا نہیں ہنوز
 کس نشہ میں ہے چورِ خدا جانے اس قدر
 حالی نے جامِ مُتہ سے لگایا نہیں ہنوز

جیتے ہی موت کے تم مجھ میں نہ جانا ہرگز
 عشق بھی تاک میں بیٹھا ہے نظر بازوں کی
 زل کی پہلی ہی سسٹم کو نصیحت یہ تھی
 چاہت اک طلعت کردہ ہی بقیع میں نہاں
 ہاتھ ملنے نہوں پیری میں اگر حسرت سے
 جتنے رتنے تھے تری ہو گئے دیراں عشق
 کوچ سب کر گئے ولی سہ ترے قدر شناس
 تذکرہ وہی موعوم کا اے دوست چھپر
 داستان گل کی خزاں میں سنا ابلبل
 ڈھونڈتا ہوں دل شوریدہ بہانے مطرب
 صحبتیں اگلی مصور ہمیں یاد آئیں گی
 سو جڑیں دلیں ہیں۔ یاں جن کو دریا چشم
 لیکے داغ آہنگا سینے پہ بہت اویسیاں
 چپے چپے پہ ہیں یاں گوہر پکتا تہ خاک
 مٹ گئے تیرے شانیکے نشان بھی اب تو
 وہ تو بھولے تھے ہمیں ہم بھی نصیحتیں مل گئے
 جسکو زخموں کے حوادث کے اچھوتا سمجھیں
 ہکو گرتوں نے رلایا تو رلایا اسے چرخ
 یا خود روئیں گے کیا آنہ جہاں روتا ہے
 آخری دور میں بھی تجھ کو قسم ہے ساقی
 نخت سکو پہن بہت جاگ کراؤ دور زماں

دوست تو دل نہ لگانا نہ لگانا ہرگز
 دیکھنا شیر سے آنکھیں نہ لڑانا ہرگز
 زو میں تیر صفت مہرگاں کی نہ جانا ہرگز
 کسی دلالہ کے دھوکے میں نہ آنا ہرگز
 توجانی میں نہ یہ روگ بسانا ہرگز
 آکے دیراں میں اب گھر نہ بسانا ہرگز
 قدریاں رہ کے باپنی نہ گنونا ہرگز
 نہ سنا جائیگا ہم سے یہ فسانا ہرگز
 ہنستے ہنستے ہمیں ظالم نہ بلانا ہرگز
 درد انگیز غزل کوئی نہ گانا ہرگز
 کوئی دیکھ پرتع نہ دکھانا ہرگز
 دیکھنا ابر سے آنکھیں نہ چرانا ہرگز
 دیکھ اس شہر کے کھڑ روئیں نہ جانا ہرگز
 دفن ہوگا کہیں اتنا نہ خزا نہ ہرگز
 اسے فلک اس کے زیادہ نہ مٹانا ہرگز
 ایسا بلا ہے نہ بدلے گا زانا ہرگز
 نظر آتا نہیں ایک ایسا گھرا نا ہرگز
 ہم پہ غیروں کو تو ظالم نہ ہنسانا ہرگز
 ان کی ہنستی ہوئی شکلوں پہ نہ جانا ہرگز
 بھر کے اک جام نہ پیاسوں کو پلانا ہرگز
 نہ ابھی میند کے ماتوں کو جگانا ہرگز

یارِ رخصت ہو سویر کہیں اس عیشِ نشاط
 کجی لے علم و ہنر گھر تھا تمھارا دلی
 شاعری مرچکی اب زندہ نہ ہوگی یارو
 غالب شریف تہ و تیر و آکر وہ و ذوق
 ہونے علوی صہبائی و ممنون کے بعد
 کردیا فکے یگانوں سننے یگانہ ہم کو
 داغ و مجروح کو سن لو کہ پھر اس گلشن میں
 رات آخر ہوئی اور بزم ہوئی زیر و زبر

نہیں اس دور میں یاں تیرا ٹھکانا ہرگز
 ہم کو بھولے ہو تو گھر بھول نہ جانا ہرگز
 یاد کر کے اسے جی نہ کڑھانا ہرگز
 اب دکھائے گناہ شکلیں نہ زانا ہرگز
 شعر کا نام نہ لے گا کوئی دانا ہرگز
 ورنہ یاں کوئی نہ تھا ہم میں یگانہ ہرگز
 نہ سننے گا کوئی بلبل کا ترانہ ہرگز
 اب نہ دیکھو گے کسی لطفِ شبانہ ہرگز

بزمِ ماتم تو نہیں بزمِ سخن ہے حالی
 یاں مناسب نہیں رورو کے رُلانا ہرگز

رنجش و التفات و ناز و نیاز
 عشق کی گونج اُس میں پاتا ہوں
 شیخ! اللہ کے تیری عیاری
 اک پست کی جو پہنے کھدی آج
 ہم کو نسبت پہ فخر ہے تیری
 آج منکر بھی تاج اٹھیں گے
 خیر ہے اسے خاک کہ چار طرف
 رنگِ بلا ہوا ہے عالم کا
 ہوتے جاتے ہیں زور مند ضعیف

سب نے دیکھے بہت نشیب و فراز
 دل ذرا دیکھتا ہوں جس کا گداز
 کس توجہ سے پڑھ رہا ہے ناز
 رنگ و اعظا کا کر گیا پرواز
 تو گئی بھول ہم کو خاکِ حجاز
 گزشتہ کی ہے یہی آواز
 قطعہ چل رہی ہیں ہوائیں کچھ ناساز
 ہیں دگرگوں زمانہ کے انداز
 بنتے جاتے ہیں بتدل ممتاز

ملے یہ قطعہ اُس وقت لکھا گیا تھا جبکہ ترکی کو سلطان عبدالعزیز خاں کے قتل کے بعد سر دیہ - ٹائنگو
 اور روس وغیرہ کے مقابلہ میں اخیر صدمہ پہنچا - ۱۲

چھتے پھرتے ہیں کبکب تھو سے ۲ گھوٹلوں میں عقاب اور شہباز
 ہے ہنٹوں کو رگدڑ میں خطہ ۳ رہنروں نے کئے ہیں ہاتھ دراز
 ٹڈیوں کا ہر کھیتوں پہ ہجوم ۶ بیٹریوں کے ہیں خون میں تر لب آد
 ناتوانوں پہ گد میں منڈلاتے ۷ گھائلوں پر ہیں ہنیر تیر انداز
 تشہ خون میں بھوکے شیروں کے ۸ جیلہ گروہوں کے عشوہ ناز
 دشمنوں کے ہیں دست خود جاسو ۹ اور یاروں کے یار ہیں غماز
 ہوگا انجام دیکھے کیا کچھ ۱۰ ہے پُر آشوب جیکہ یہ آغاز
 نے ابھی تک کھلی نہیں لیکن ۱۱ غیب سے آ رہی ہے کچھ آواز
 دقت نازک ہے اپنے بڑے پر ۱۲ موج ہائل ہے اور ہوانا ساز
 یا تھپڑے ہوا کے لے اُبھرے ۱۳ یا گیا کشمکش میں ڈوب جہاز
 کام اُسے اپنے سوئے و حالی ۱۴ نہیں جس کا شریک اور اس ساز
 ہر وہ مالک ڈبوئے خواہ ترائے ۱۵ چارہ یاں کیا ہے غیر عجز و نیاز

س

جاذبِ رحمت ہے مقناطیس عصیاں اپنے پاس
 رکھتے ہیں عاصی کنبہ صیدِ عفراں اپنے پاس
 عاجزوں سے مقتدر کرتے ہیں اکشر درگزر
 عجز اپنا ہے کلیدِ بابِ رضواں اپنے پاس
 ہو گئی گر کچھ سمجھنے میں خطا فرمان کے
 عذر خواہ اپنا ہے خود فرمانِ سلطان اپنے پاس
 بامِ بملایا بلند اور نارِ سا بجنشی کشد
 رکھتے ہیں ہم اپنی منذوری پہ برہان اپنے پاس

خاک میں ہنسنے مار کھی ہے اک سیر اپنی۔ آپ
 در نہ ہے ہر درد کا موجود در ماں اپنے پاس
 دست برد اہر من کا جس کو کچھ کھٹکا نہیں

ہے بھدا اللہ وہ مسریلیاں اپنے پاس
 دیکھنا حالی نہ دینا وضع فطرت کو بدل
 ہے یہ دستاویز استخلاف رحماں اپنے پاس

چھڑا ب نہ اسے تصور مرقان یا رہیں کافی ہو خار خار غم روزگار رہیں
 یہ غم نہیں ہو وہ جسے کوئی بٹا سکے۔ غمخواری اپنی رہنے دے ای غمگار رہیں
 ہر داغ فصل گل کی نشانی ہو اسے صبا گلگشت کو بہت ہو دل داغدار رہیں
 ڈرو دلوں کے ساتھ امیدیں بھی پس نہائیں اے آسیائے گردش لیل و نہار رہیں
 دیں غیر و شہنی کا ہماری خیال چھوڑ یاں دشمنی کے واسطے کافی ہیں یا رہیں
 آنا نہیں نظر کہ ہو یہ رات اب سحر کی نیند کیوں حرام بس اسے انتظار رہیں
 تھوڑی ہی ہے رات اور کہانی بہت بڑی
 حالی نکل سکیں گے نہ دل کے بخار رہیں

ش

اک ہم کو ہم برسر ایام ہے در پیش ہنسا نظر آتا نہیں جو کام ہے در پیش
 غفلت ہو کہ گھیرے ہو ہے چار طرف سے اور معرکہ گردش ایام ہے در پیش
 وہ دن گئے جب تھا مرض صعب کا آغاز اب اس مرض صعب کا انجام ہے در پیش
 اگر صبح بھی تھی روز مصیبت کی قیامت پر صبح تو جوں توں کٹی اب شام ہے در پیش
 رازقت گیا نشہ تھاروروں پہ جب اپنا اب وقت تھارے گلغام ہے در پیش
 امید شفا کا تو جواب آہی چکا ہے اب موت کا سننا ہمیں پیغام ہے در پیش

جی اُس کا کسی کام میں لگنا نہیں نہ ہمار
ظاہر ہو کہ حالی کو کوئی کام ہے درپیش

ص

ہر بشر سے اُسکی شخص میں عطا میں خاص خاص
ہر مرض کو اس میں جیسے دوائیں خاص خاص
دل تو اپنا پھر چکا ہے زال دینا سے - مگر
رہن دل میں ابھی اس کی ادائیں خاص خاص
گو زمانے نے بھلا دی دل سے اپنے فضل گل
یاد میں لیکن وہ بلبل کی صدائیں خاص خاص
نہر و تقویٰ سے نہیں ہوتیں دعائیں مستجاب
وقت میں کچھ خاص خاص اور ہیں ادائیں خاص خاص
یوں تو ہے امید سب کچھ - پرہیز شاید معاف
وہ جو کہی ہیں ہننے اے حالی خطائیں خاص خاص
درد - اور درد کی جو سب کے دوا - ایک ہی شخص
یاں ہے جزا و سزا بخدا ایک ہی شخص
خود غلماں کے لئے لائیں دل آخر کس کا
ہونے دیتا نہیں یاں عمدہ برا ایک ہی شخص
قافے گذریں وہاں کیونکہ سلامت و اعط
ہو جہاں راہزن اور راہنما ایک ہی شخص
قیس سا پھر کوئی اٹھنا نہ بنی عام میں
فخر ہوتا ہے گہرا نے کا سدا ایک ہی شخص

چھٹے دیکھے ہیں جن لوگوں کے ان نگہوں نے
 آج ویسا کوئی دے ہو کہ دکھا ایک ہی شخص
 گھر میں برکت ہو۔ مگر فیض ہی جاری شبِ روز
 کچھ سہی شیخ۔ مگر ہے بخدا ایک ہی شخص
 اعتراضوں کا زمانہ کے ہی حالی پہنچو
 شاعر اب ساری خدائی میں ہو کیا ایک ہی شخص

ص

عشق کو ترکِ جہنم سے کیا غرض
 دل میں ہے اسے خضرِ گریہ طلب
 چرخِ گرداں کو سکون سے کیا غرض
 راہِ دور کو رہنمائی سے کیا غرض
 گھر کے محرابِ دستوں سے کیا غرض
 ان کو چنگ و آغوشوں سے کیا غرض
 ہم کو تفتیشِ دروں سے کیا غرض
 ہم کو اپنے اشکِ باخوں سے کیا غرض
 آنگوا اپنے اشکِ باخوں سے کیا غرض
 شیر کو صیدِ زبوں سے کیا غرض
 اب اسے دنیا کے دوس سے کیا غرض
 کر چکا جب شیخِ تخیلِ قلوب

آئے ہو حالی پہ تسلیم یاں

آپ کو چون و چگون سے کیا غرض

دوست کا ناروا نہیں اعراض
 چاہئے ایک سب کا ہو مقصود
 دوستوں ہی کا کام ہے اغراض
 گوہوں سب کے جدا جدا غرض
 یاد میں تیسری سب کو بھول گئے
 دیکھئے تو بھی خوش ہے یا ناخوش
 اور تو ہم سے سب ہیں کچھ ناراض

کلا ابا لی بان یحا بنی
 منمرا بذل خیر میں یہ دیر
 حق میں اپنوں کے سخت مسک ہیں
 جو کہ ادروں کے حق میں بیاض
 رائے ہے کچھ علیل سی تیری
 بنف میں اپنی بھی دیکھ اسے بیاض
 دغط میں گل کرتے ہیں واعظ
 معہ میں آنے زباں ہو یا مقرر
 ہو نقیہوں میں اور ہم میں تراغ
 کھل لٹائی نرا عنا من قاض
 ہے ریاضت پہ ناز کیا زاہد
 خار کش تجھ سے ہے سودا مراض
 شیخ کی تھی یہ آخری تلقین
 چاہئے زر تو اس کے کرا عراض

ایسی غزلیں سنی نہ تھیں حالی
 یہ بیکالی کہاں سے تم نے بیاض؟

ط

رات گزری ہو چکا دور نشاط
 سٹہ ہوئی بس اب کوئی دم میں بساط
 دل خوشیاں ہو گئیں اب گوشہ گیر
 نام تھا شاید جوانی کا نشاط
 دن اب ایدل منتبض بنے کو ہیں
 ہو چکا ہونا تھا جو کچھ انبساط
 منچہ چٹکا اور آ پھونکنی خزاں
 فصل گل کی تھی فقط اتنی بساط
 زینہ منبر ہے لغزش کی جگہ
 جانیو واعظ اسے راہ صراط
 تو بھی کھانے میں نہیں تھا شمع
 ہم کریں پینے میں کیوں پھر احتیاط
 کوئج کی حالی کرو تیاریاں
 ہے قومی میں دم بم اب انحطاط

ط

چھپے ہیں حرفیوں میں احسرا و اعظ

بڑا کہہ نہ رندوں کو زہن ساز و اعظ
 سدا قمر ہی تر ہے عاصیوں پر
 نہ ستار ہے تو نہ غفار و اعظ
 کل اے گی میکشی کی بھی حلیت
 کوئی بل گیا گر ہمیں یار و اعظ
 کوئی بات دیکھی نہیں تجھ میں لیکن
 سنا ہے کہ ہوتے ہیں عیار و اعظ
 ہیں اور بھی تجھ سے کرتے ہیں بطن
 یہ جیتہ۔ یہ ریش اور یہ دستار و اعظ
 نہ پھوڑے گا زور گھروں میں نہ زرتو
 یہی ہے اگر حسن گفتار و اعظ
 مسلمان نہ ہم کاش حالی کو کہتے
 ہوئے بات کہہ کر گنگار و اعظ!

ع

اے ہمارے زندگانی الوداع اے شباب ای شادمانی الوداع
 اے بیاض صبح پیری التام اے شب قدر جوانی الوداع
 التام اے قاصد ملک بقا الوداع اے عمر فانی الوداع
 روزگار صنف دستی الصلا وقت سعی و جانفشانی الوداع
 فرصت عشق و جوانی الفراق قطعہ دور عیش و کامرانی الوداع
 بھکھو سمجھے تھے نعیم جاوداں ۲ اے نعیم جاودانی الوداع
 نیرے جاتے ہی گئیں سب بیاں ۳ اے خدا کی مہربانی الوداع

آہنگا حالی کنارے پر جہاز

الوداع اے زندگی الوداع

غ

کل کبک سے چین میں یہ کہتا تھا ایک زاغ
دیکھ اس خرام ناز پہ اتنا نہ کرو داغ

ہے ناک میں عقاب تو شہباز گھات میں
حلے سے یاں اجل کے نہیں ایک دم فراغ

یار بنگاہ بد سے چمن کو بچا یو
بلبل بہت ہے دیکھ کے پھولوں کو باغ باغ

دو چار گام نقش قدم بل کے رہ گئے
آگے چلا نہ آہوئے شکلیں کا کچھ سراغ

آئیں ہیں وہ شوق سے جواہل طرف ہوں
ساتی بھرے کھڑا ہے مئے لعل سے آیا غ

جگل میں تختہ گل خود رد کو دیکھ کر
تازہ ہوا زمانہ کی ناقدریوں کا داغ

حالی بھی پڑھنے آئے تھے کچھ بزم شعریں

باری تب اُن کی آئی کہ گل ہو گئے چراغ

ف

حق نہ ملانے کچھ بتایا صاف اور نہ صوفی نے کچھ دکھایا صاف

آہنگہ اپنی ہی جب تلک نہ کھلی مہر روشن نظر نہ آیا صاف

کبھی دشمن سے بھی نہ کھٹکے ہم صاف تھو آپ سب پایا صاف

زاہد ہم تو تھے ہی آلودہ تنکو بھی پہنے کچھ نہ پایا صاف
 کیوں نفیہوں سے رک گئے حالی
 بھید تم نے نہ کچھ بہت پایا صاف

ق

نہ ہم ہیں یار کی محفل میں بار کے لائق
 کر گیا کیا تر کھل الجواہر اے کمال
 مکان عاریتی اور لباس بوسیدہ
 غرور و حرص میں زیور عروس دنیا کے
 کرے گی باد بہار آ کے اب کسی سرسبز
 بس اب ہے فضلہ رو باؤ گرگ پر گزرنے
 گنہ کا عذر کریں محتسب ہم آنکھوں سے
 گروہ میں دام نہ دفتر میں نام ہی حالی
 یہ پہنے مانا کہ تم میں ہنر بھی ہیں کچھ کچھ

دلوں کا کھوٹ اگر کہنے بر ملا ایک ایک
 سلامتی کو وہاں قافلوں کی روٹھیں
 زمانہ پھر نظر آتا ہے کچھ ترقی پر
 رہا ہوں پرندہ بھی اسی شجر پارسا بھی میں
 دفا کی ایک سنجھی سے اُمید ہو اسوقت
 پھپکا کے اس سے قصور اپنی ہم بہت سدا
 بدنامہ ایک بھی حق اسکی بندگی کا ادا

تو آشنا سے ہو بیگانہ آشنا ایک ایک
 جہاں ہی راہنہ خلق رہنا ایک ایک
 بنا ہی غوثِ زمان آجکل گدا ایک ایک
 مری نگاہ میں ہی رند و پارسا ایک ایک
 کہ یار یار سے ہو جائیگا جد ایک ایک
 جب آپ منہ سے لگی بولنے خطا ایک ایک
 کیا جس کے حق خواجگی او ایک ایک

امیرِ حاج کی تہمت میں گرنے آئے قصور تو موجِ بحرِ ہر کشتی کی ناخدا ایک ایک
ہم آج بیٹھے ہیں ترتیب کرنے دفتر کو ورقِ حیا سکا اڑائے گئی ہو ایک ایک
بہار نے بھی نہ بلبلِ تری بھائی آگ جگر کے پار ہے اب بھی تری نوا ایک ایک
وہ عشق ہو نہ جوانی - وہ تو ہو اب - نہ وہ ہم پہ دل پہ نقشِ ہر ابتک تری ادا ایک ایک
نہ ہم رہیں گے نہ حالی - پہ نخرائشِ جہاں
ریگی حالی دلیک کی صدا ایک ایک

عالمِ آزاد گاہاں ہر اک جہاں سب سے الگ
ہو زیں اُن کی اور اُن کا آسماں سب سے الگ
پاک ہیں آلاشوں میں - بندشوں میں بے لگاؤ
رہتے ہیں دنیا میں سب کے درمیاں سب سے الگ
دوست کے ہیں جاں نثار اپنا ہو یا بیگانہ ہو
ہے عشیرہ اور اُن کا دُود ماں سب سے الگ
سب کی سُن لیتے ہیں لیکن اپنی کچھ کہتے نہیں
ہے کوئی بھیدی اور اُن کا راز داں سب سے الگ
جاچتے آدروں کو ہیں خود لے کے اپنا امتحان
رکھتے ہیں اپنا طریق امتحان سب سے الگ
اک چمن بہرِ تفرج رکھتے ہیں زیرِ بغل
روضہٴ دستانِ فروس جہاں سب سے الگ
کلبہٴ احزاں ہو روشن اُن کا جس مہتاب
ہو وہ نورِ ہر ماہ و مکشاں سب سے الگ

پکڑوں پھندوں میں یاں چکا اہوا ہے نہا پسند
 پڑھو لے کوئی دل اُن کا تو اس سب کے الگ
 شاعروں کے ہیں سب انداز سخن دیکھے ہوئے
 دردمندوں کا ہے دکھ اور بیاں سب کے الگ

مال ہے نایاب پرگا کہک ہیں اکثر بے خبر

شہر میں کھولی ہو حالی نے دکان سب کے الگ

صلح ہو اک مُہلت سامانِ جنگ کرتے ہیں بھرنے کو یاں خالی تفتنگ

عہد گیتی پر نہ پھولیں کامراں آخر اسکی آشتی لائے گی رنگ

علم کیا - اخلاق کیا - ہتھیار کیا؟ سب لشکر کے ارکھنے کے ہیں ڈھنگ

رو گئے بد خو کو بد خوئی سے کیوں آپ اپنی خو سے آجائے گا تنگ

زہر و طاعت پر جوانوں کی نہ جاد یہ بھی ہو اک نوجوانی کی ترنگ

پاکبازوں کو نہیں کچھ قید وضع جو ہیں اچھو اُن پہ سب کھلتے ہیں رنگ

کام کا شاید زمانہ ہو چکا دل میں اب اٹھتی نہیں کوئی آئنگ

دو عجائب نظر آتے ہیں کھیل دیکھ پہلے جن کو رہ جائے حق رنگ

کاہشوں سے پرورش پاتی ہو روح اب لگا کھایا پیا سب آ کے انگ

عقل شاید ملک میں بانی ہو کچھ نہو ابھی کم حاصل افیون و بنگ

بڑھ گیا ہے رسمِ انسانی بہت ہو گی ایجاد اب نئی تو پ در تفتنگ

قوم کو حالی نہیں اس اتفاق

پھوٹ ہی کا بس کھلے گا ہمہ رنگ

ارگے ہیں ہم ہی کچھ اور آج کل یا نہا نہ ہی گیا یا رب بدل؟

رہ گئے ہیں کچھ کچھ آثارِ سلف
 اور ابھی ہونا ہے شاید مبتذل
 اک سنبھلتے ہم نظر آتے نہیں
 ورنہ گر گر کر گئے لاکھوں سنبھل
 کب تک آخر ٹھہر سکتا ہو وہ گم
 آگیا بنیا دین جس کی خسل
 ناؤ ڈوبے یا کہیں کھیا ہو پار
 تیری جد بھی ہے کچھ اے طولِ ازل
 اب لگاؤ پود کچھ اپنی نئی
 لاپکے پودے بہت انگلوں کے پھل
 دیکھئے بنتا ہے کب تک پاسِ وضع
 ہم نہ بدے اور گیا عالم بدل
 کوششوں میں کچھ مزا آتا نہیں
 وقت کوشش کا گیا شاید نکل
 اب سُنو حالی کے نئے عجب
 ہو چکا ہنگامہ مدح و عناد

میرے ہیں دہر کے زُبرِ نقاب بیٹھے تھے ہم
 اٹھے بس دیے ہی کرے جیسے جا بیٹھے تھے ہم
 پھر وہی ہم ہیں کہ ہر عیشہ پہ ہیں کافر کے لوٹ
 زائلِ دنیا سے ابھی ہو کر خُدا بیٹھے تھے ہم
 صحبتیں اہلِ دین کی سب گئیں نظروں سے گبر
 بزمِ رنڈاں میں یونہی اک روز جا بیٹھے تھے ہم
 شیخِ دنیا کی حقیقت رہ کے دنیا میں کھلی
 ورنہ دھوکا - دور سے دیکھو اسکو کھا بیٹھے تھے ہم

ہم نہ تھے آگاہ و اعط زشت خوئی سے تری
 آدمی تجھ کو سمجھ کر پاس آ بیٹھے تھے ہم
 سچی کا انجسام پہلے ہی سے آتا تھا نظر

ہاتھ ساحل ہی پہ بیڑے سے اٹھایٹھے تھے ہم
 ہم سے خود دنیا ہی پتیائی نہ حالیِ فرنیایاں
 دین تک نئی دنیا کی قیمت میں لگا بیٹھے تھے ہم
 دویاں اپنے میں گوبے انتہا پاتے ہیں ہم
 پر ہر اک خوبی میں داغ اک عیب کا پاتے ہیں ہم
 دن کا کوئی نشان ظاہر نہیں افعال میں
 گو کہ دل میں متصل خوفِ خدا پاتے ہیں ہم
 کرتے ہیں طاعت تو کچھ خواہاں غالیش کے نہیں
 پر گنہ چھپ چھپ کے کرنے میں مزا پاتے ہیں ہم
 دیدہ و دل کو خیانت سے نہیں رکھ سکتے باز
 گرچہ دست و پا کو اکثر بے خطا پاتے ہیں ہم
 دل میں دروغ عشق نے مدت سے کر رکھا ہے گھر
 پر اُسے آلودہ حرص و ہوا پاتے ہیں ہم
 ہر کے نامِ مجرم سے پھر مجرم کرتے ہیں وہی
 مجرم سے گو آپ کو نامِ سدا پاتے ہیں ہم
 ہیں فدا ان دوستوں پر جنہیں ہو صدق و صفا
 پر بہت کم آپ میں صدق و صفا پاتے ہیں ہم
 کہ کسی کو آپ سے ہونے نہیں دیتے نفا
 اک جہاں سے آپ کو لیکن خطا پاتے ہیں ہم
 جانتے اپنے سوا سب کو ہیں بے مہر و وفا
 اپنے میں گر شتم مہر و وفا پاتے ہیں ہم

بخل سے منسوب کرتے ہیں زمانہ کو سدا
 گر کبھی توفیق ایسا رو عطا پاتے ہیں ہم
 ہو اگر مقصد میں ناکامی تو کر سکتے ہیں حیر
 در و خود کامی کو لیکن بے دوا پاتے ہیں ہم
 ٹھہرتے جاتے ہیں جتنے چشم عالم میں بھلے
 حال نفسِ دُور کا اتنا ہی بُرا پاتے ہیں ہم
 جھک جھک جھک کے ملتے ہیں بزرگ و خرد سے
 کبر و ناز اتنا ہی اپنے میں سدا پاتے ہیں ہم
 گو بھلائی کر کے بھجنوں سے خوش ہوتا ہی جی
 تہ نشین اس میں مگر دُور یا پاتے ہیں ہم
 ہے ردائے نیک نامی دوش پر اپنے مگر
 داغ رسوائی کے کچھ زیرِ دوا پاتے ہیں ہم
 راہ کے طالب ہیں پر بے راہ پڑتے ہیں قدم
 دیکھئے کیا ڈھونڈتے ہیں اور کیا پاتے ہیں ہم
 نور کے ہمنے گلے دیکھے ہیں ای حالِ مگر
 رنگ کچھ تیری لالوں میں نیا پاتے ہیں ہم
 آگے بڑھے نہ قصۂ عشق بتاں سے ہم
 اب بھاگتے ہیں سایہ عشق بتاں سے ہم
 خود رفتگی شب کا مزا بھولتا نہیں
 در و فراق در شبِ عدو تک گراں نہیں
 جنت میں تو نہیں اگر اسے زخمِ تیغ عشق
 بدلے گئے تھے تو زندگی جاوداں سے ہم

یہ دو ہیں کوئی دم اسے منکر نہ کیسے آئے ہیں آج پھوٹ کے قید گراں سے ہم
 نہیں ہیں اس کے گریہ بے اختیار پر بھولے ہیں بات کہہ کے کوئی راز داس ہم
 باتوں سے بگاڑ کی باتیں کیا کر د کچھ ہائے ہیں آپ کی طرزِ بیاں سے ہم
 دلکش ہر ایک قطعہ صحرائے راہ میں ملتے ہیں جا کے دیکھئے کب کا رز داس ہم

لذت ترے کلام میں آئی کہاں سے یہ؟
 پوچھیں گے جا کے حالی جاؤ بیاں سے ہم

ن

باروں کو تجھ سے حالی اب سرگزینیاں ہیں
 نیندیں اُچاٹ دیتی تیری کہانیاں ہیں
 یاد اس کی دل سے دھوے اچھٹم تر تو مانوں
 اب دیکھنی مجھے بھی تیری روانیاں ہیں
 بٹے ہیں غیر اپنے ہوتے ہیں رام وحشی
 الفت کی بھی جاں میں کیا حُکمرانیاں ہیں
 بہت ہر یا حضور ہی دو فزیر ہی ہیں تیری
 جب بدگمانیاں تھیں اب بد زبانیاں ہیں
 کہتے ہیں جس کو جنت وہ اک جھلک ہی تیری
 سب داغظوں کی باقی رنگیں بیانیاں ہیں
 رخت تری غذا ہے غصہ ترادوا ہے
 شامیں ہیں تیری جتنی جانِ جہانیاں ہیں
 ہر گاتو پہلے ہوگا اسے چسپنج مہرباں تو
 کچھ ان دنوں تو ہم پر ناہربانیاں ہیں

اپنی نظریں بھی یاں اب تو حقیر ہیں ہر دم
 بے فیرتی کی یاد اب زندگانیوں میں
 روتے ہیں چار ہمسرہ بنتے ہیں چار ہمسرہ
 یاں تک ہماری پہونچی اب نا تو انیاں ہیں
 ہر حکم پر ہوں راضی ہر حال میں میں خوش
 حقہ میں اب ہمارے یہ شادمانیاں ہیں
 خاور سے باختر تک جن کے نشان تھے برپا
 کچھ مقبروں میں باقی اُن کی نشانیاں ہیں
 دیکھا نہیں ابھی کچھ خط الرحبال تم نے
 اس سے بھی سخت آتی آگے گرائیاں ہیں
 کھیتوں کو دے لو پانی اب بہہ رہی ہے گنگا
 کچھ کر لو زو جانو اٹھتی جوانیاں ہیں
 فضل و ہنر بڑوں کے گرتم میں ہوں تو جانیں
 گر یہ نہیں تو بباد وہ سب کہانیاں ہیں
 رونے میں تیرے حالی لذت ہو کچھ نرالی
 یہ خوں نشانیاں ہیں یا گل نشانیاں ہیں
 جب سے سنی ہے تیری حقیقت چین نہیں اک آن ہیں
 اب نہ نہیں گئے ذکر کسی کا آگے کو ہوئے کان ہیں
 کچھ روزوں غفلت میں پھرے یاں ڈھونڈتے ہم آسائیں کو
 کھل گئی جب دنیا کی حقیقت کچھ نہ رہا جلیان ہیں
 چل کے نئی اک چال فلک نے کھو دیئے ہوش حریفوں کے

زو سے بچیں یا مات قبولیں اتنے نہیں اوسان ہیں
 پاس انہیں گر اپنا ذرا ہو۔ جان اپنی بھی اُن پہ مندا ہو
 کرتے ہیں خود نا منصفیاں اور کہتے ہیں نا فرمان ہیں
 راو طلب سب غیر ہوں جب تو ان میں کسی کا پاس نہ ہو
 بتلائی ہے زمانہ نے انصاف کی یہ چچان ہمیں
 صحر میں کچھ بکریوں کو قصاب چراتا پھرتا تھا
 دیکھ کے اُس کو سارے تمھارے آگئے یاد احسان ہیں
 یاں تو بدولت زہر و دُور ع کے بھگ گئی خاصی عزت ہو
 بن نہ پڑا پر کل کے لئے جو کرنا تھا سامان ہیں
 ٹرے دیہی اور تال دیہی پر راگنی کچھ بوقت سی تھی
 غل تو بہت یاروں نے مچا یا پڑ گئے اکثر ان ہیں
 غبرے اب وہ بیر نہیں اور یار سے اب وہ پیار نہیں
 بس کوئی دن کا اب حالی یاں سمجھو تم مہمان ہیں
 کی تو ہیں جتنے بھی حالی کوچ کی تیاریاں
 خوابت میں وہ لذت تیرا کو سیری نہیں
 سو جیتی ہیں اہ میں لیکن بہت دشواریاں
 جو جوانی میں مزادیتی تھیں شب بیداریاں
 ہاگواراں سی سواغیروں کی ہیں غمخواریاں
 سب کرنی ہو گئی پوری اپنی اپنی باریاں
 اتنی بھی اے عاقلو اچھی نہیں شہساریاں
 اس پھل کی اہل دنیا کی ہیں ظاہر و داریاں
 بے فرو ہزار ہیں کی ترش روئی بھی گر
 گو طبیعت سے گھر سب ماوے فاسد نکل
 کم ہوئیں حالی نہ لیکن نفس کی بیماریاں

رازِ دل کی سرِ بازار خبر کرتے ہیں عقل کی بات کوئی سمجھنے کی ہو شاید
جُرمِ خالق سے سو پاتے ہیں جُرمِ فقہا کم سے کم وعظ میں اتنا اثر ہو واعظ
زہد و طاعت کا سہارا نہیں جب زاہر عیب یہ ہے کہ کرو عیب - ہنر و کھلاؤ
غمر و درنج و مصیبت پہ کرو ناز کہ وہ جی رگڑاؤ سے جو انکی کبھی ٹک جاتا ہو
اک یہاں جینے سے بیزار ہیں یا رب تلخیاں نلیت کی تھوڑی سی رہی ہیں باقی
فیصلہ دار کا یاں پیٹ تو بھرنا معلوم بس ہماری ہی طرح وہ بھی گذر کرتے ہیں

کہیں افطار کا حیلہ تو نہ ہو یہ حالی

آپ اکثر رمضان ہی میں سفر کرتے ہیں

دیکھنا ہر طرف نہ مجلس میں رخنے نکلیں گے سیکڑوں اس میں
کی نصیحت بڑی طرح ناصح اور اک بس ملا دیا بس میں
ہو نہ بیٹا تو نرسق پھر کیا ہو چشم انسان و چشم فرس میں
بقدم دم ہیں خالقا ہوں میں بے عمل علم ہیں مدارس میں
دین اور فقر تھے کبھی کچھ پسیر اب دھرا کیا ہے اُس میں اور آس میں
تھو قبضے میں جب عنان فرس پہنچ ہیں جو ہنر ہیں فارس میں
جس سے نفرت ہی اہل نعمت کو دہی نعمت ہے چشم مفلس میں
ہو فرشتہ بھی تو ہنسیں انسان دُر و تھوڑا بہت نہ ہو جس میں

جانور آدمی - فرشتہ - خدا
آدمی کی ہیں سیکڑوں قسمیں
آج کل چرخِ صلح جو ہے بہت
دیکھے ہو بگاڑ کس کس میں
کی ہے خلوت پسند حالی نے
اب نہ دیکھو گے اس کو مجلس میں

راہوس عشق کی لذت سے خبردار نہیں
ہیں نئے ناب کے دلال - قلع خوار نہیں
نہیں ان کے نہیں صنبرِ وفا کی بکری
بھاؤ ہیں پوچھتے پھرتے پہ خریدار نہیں
کون سے وہ گلِ رعنا پہ نوا سنج نہیں؟
کون سی رنگس شہلا کے وہ بیمار نہیں؟
کسی لیلیٰ پہ ہیں مفتوں کبھی شیریں پہ فدا
اور جو پھر دیکھو تو دونوں سے سروکار نہیں
اللہ نہیں سکتی سزا جرمِ وفا کی ان سے
دل پھٹا کر کہیں بنتے وہ گنگار نہیں
میش میں جان فدا کرنے کو تیار ہیں وہ
نہ نیا ذائقہ چکھنے کا ہے لپکا ان کو
راہوس - کام طلب - بندہ نفس - اہل ہوا
در بدر جھانکتے پھرنے سے انھیں غار نہیں
دعویٰ عشق و محبت پہ نہ جانا ان کے
ایک عالم ہی اسی رنگ میں دوچار نہیں
ان میں گفتار ہی گفتار ہے - کردار نہیں
بکے حالی بھی اگر عاشق صادق ہوئیں
کہد و دانش کہ صادق نہیں زہار نہیں

چونکا ہے فصلِ گل نے صور آ کے پھر جن میں
انگ حشر سا ہے برپا مرغانِ نعمتِ زن میں
نیل کے آگ سی کچھ تن میں لگ رہی ہے
بجلی گری فلک سے یا گل کھلا چمن میں
بارِ مبالغہائی پھونک کیا جانے کان میں کیسا؟
پھولے نہیں مالتے نیچے جو پیرِ من میں

چُپ ہے زبانِ سوسن حیراں ہے چشمِ فرگس
 قدرت کا دیکھ جلوہ سحرین و لسترین میں
 ہیں اور تو ادائیں ساری سہی قدوں کی
 پڑنی ہے جان باقی بس سرو و ناروں میں
 ہے عید اہل اسلام یا موسمِ بہاراں
 جنگلِ ببا ہوا ہے سب عطریا سمن میں
 منہ سے دھواں سا اٹھا۔ لیتے ہی نامِ اسلام
 بارود بچھ رہی تھی گویا لب و دہن میں
 پھر زخمِ پھوٹ نکلا۔ حالی نہ چھٹیرا تھا
 فصلِ خنداں کا قصہ ذکرِ گل و سمن میں
 گور دچکے ہیں ڈکھڑا۔ سوار قوم کا ہسم
 پرتازگی وہی ہے اس قصہ کہن میں
 وہ قوم جو جہاں میں کل صدرِ انجمن تھی
 تم نے سنا بھی؟ اسپر کیا گذری انجمن میں
 پائین بزم بھی اب ملتی نہیں اُسے جا
 رُونَدن میں ہو وہ گلبن پھولا تھا جو چمن میں
 رُوئے کی جون میں ہے مرغوب اب وہ ملت
 تھی سہناک کل تک جو شیر کے بَرُن میں
 وہ دن گئے کہ حکمت تھی مستندین کی
 ۱۵۔ میں کی نسبت حدیث میں آیا ہے کہ "اَلَا اِيْمَانُ اِيْمَانٍ اَلْحِكْمَةُ اِيْمَانِيَّةٌ" یعنی ایمان جو تو میں کا ہے
 حکمت جو تو میں کی ہے۔ اسی بنا پر میر باقر داماد نے اپنے فلسفہ کا نام حکمتِ ایمانیہ رکھا ہے۔ ۱۲

ہے اب بجائے حکمت خاک اڑ رہی یمن میں
دردن گئے کہ مہرتی مشہور تھے عدن کے

ہے کال موتوں کا اب سرسبز عدن میں
نہر اولیں پہ ہے بس فخر اب قرن کو

زندہ اولیں کوئی باقی نہیں قرن میں
اس باغ کی خزاں نے کچھ خاک سی اڑا دی

فصل بہار گویا آئی نہ تھی چمن میں
دال نہ ہوگی آگے اسے دور چرخ شاید

جو آب کے تونے ہل چل ڈالی ہے انجمن میں
نوح اور ہیر دونوں پھرتی ہیں بے سری سو

گویا امیر شکر مارا گیا ہے زن میں
زرد بزرگ سائے ہیں بدحواس گویا

لٹنے کی قافلہ کے پہنچی خبر وطن میں
بولی ہوئی ہیں دین ہر نوں کی - چو کڑی سب

جائیں کہہ کر کہ ہر سو دُور لگ ہی ہو بن میں
حالی براب نہیں یاں سننے کی تاب باقی

مانا کہ ہے بہت کچھ وسعت ترے سخن میں
نوک زباں نے تیری سینوں کو پھید ڈالا

ترکش میں ہے یہ پیکاں یا ہو زباں میں ہیں
از جو کہ خوب سے ہو خوب ترکماں اب پھرتی ہے دیکھے جا کر نظر کہاں؟

ہیں درجام اول شب میں خود سی دھہ ہوتی ہو آج دیکھے ہم کو سحر کہاں

یارب اس اخلاط کا اجسام ہونے پر
اک عمر چاہیے کہ گوارا ہونیش عشق
بس ہو چکا بیان کسل پرچ راہ کا
کون دسکان ہے دل وحشی کنارہ گیر
ہم جبر رہے ہیں وہ بات ہی کچھ اور
ہوتی نہیں قبول دعا ترک عشق کی
حالی نشاۃ لغتہ دے ڈھونڈتے ہو اب

آئے ہو وقت صبح رہی رات بھر کہاں
خزاں کو لگے ہمراہ اگر پہنچے گلستاں میں
جو دل چاہے تو اچھے اک غبار دو دیاں میں
نہ رہنے دیگا سخن و ناپائے کنتاں میں
نہ کچھ گفت ہی زندان میں نہ کچھ احتشانتاں میں
کہاں تک ہی نہ گھر کے آہی دیو ہجراں میں
نہ پوچھو مجھے کیا دیکھا ہے ہننے بزم زنداں میں
سوائے طول حسرت کیا دھرا ہے آجہاں میں
نیم مصر کو آنا ہو اکدن بیت احزاں میں
ہاں ابھی کبھی گستاخاں سیر گلستاں میں
بہت دن چاہیں پوسٹ کو تاپہنچے زینجاں تک
نہ دی حیرت نے حالی فرصت سیر جاں اکدم

رہی ہم شہر میں ایسے کہ تھے گویا بیا باں میں
جب بھولے تھے اب وہ بات نہیں
اب وہ اگلا سا التفات نہیں

بھ کو تم سے پراعتماد و وفا
 رنج کیا کیا ہیں ایک جان کے ساتھ
 تم کو مجھ سے پراثفات نہیں
 زندگی موت ہر حیات نہیں
 یونہیں گزرے تو سہل ہو لیکن
 فرصت غم کو بھی ثبات نہیں
 کوئی دلسوز ہو تو کیجے بیباں
 سرسری دل کی واردات نہیں
 ذرہ ذرہ ہے منظر غور شہید
 جاگ اے آنکھ دن ہر ات نہیں

قیس ہو کو بہن ہو یا حالی عاشقی کچھ کسی کی ذات نہیں

کچھ مہنسی کھیل نبھانا غم ہجر اں میں نہیں
 کھو دیا یا س نے ذوقِ خلش فکر وصال
 چاکل میں ہوئے جو کہ گریباں میں نہیں
 اک مڑا تھا سودہ اب کا دیش پہناں میں نہیں
 ہنسنے کی سیر چمن غور سے ای کیل زار
 بات چھٹی ہوئی کوئی گل دیرچاں میں نہیں
 عشق نے مصر میں سو بار زلیخا سے کہا
 قلنہ دہر ہے جو حسن وہ کفناں میں نہیں
 غلب! صدق و صفایاں جو انھیں کے دم
 مصلحت برہمی صحبت زنداں میں نہیں
 باں بھی ہو کون و مکان سے دل وحشی آزاد
 جسکو ہم قید سمجھتے ہیں وہ زنداں میں نہیں
 بات جو آج ہو وہ کل غم ہجر اں میں نہیں
 ٹھیرے ٹھیرے دل یوں ہی ٹھہر جائے گا
 خط میں لکھا ہو وہ القاب عنوان میں نہیں
 کس طرح اسکی لگاؤ کو بناوٹ سمجھوں
 ایسے الجھاؤ ترے کا کلن پچاں میں نہیں
 دی ہو واعظ نے کرن آداب کی تکلیف نہ پوچھ
 اب بھی کہتے ہیں کہ تم غیر کے نقصان میں نہیں
 آدمی ہو تو کبھی پاس محبت کے نہ جائے
 اب وہ اگلی سی درازی شب ہجر اں میں نہیں
 بیکراری تھی سب امید ملاقات کے ساتھ

حالی زار کو کہتے ہیں کہ ہے شاہد باز

یہ تو ہمار کچھ اس مردِ مسلمان میں نہیں

غمِ فرقت ہی میں مرنا ہو تو دشوار نہیں
 شادی وصل بھی عاشق کو سزاوار نہیں

گل۔ آواز قبل پہ ہیں نہیں ہے کہ جسے دن کی ہیں یہ خوش الحانیاں
 متاع وفا کا ہے دنیا میں کمال گر گاہوں کی ہیں ارزانیان
 لگا دیتے ہیں اسکی تمیت میں جو شہنشاہیاں اور سلطانیان
 کھلونوں پہ مرتے ہیں سر پھوڑ پھوڑ یہ داناؤں کی یہاں ہیں نادانیاں
 بچھتے ہیں مردار کی پائے بو یہ ہیں شیر مردوں کی جولانیاں
 بنی نزع کے دوست کرتے ہیں وہ بنی نزع پر آتش افشانیاں
 کیلجے کے ٹکڑوں ہوتی ہیں یہاں سدا چل کوڑوں کی مہانیاں
 جہاں سوزیوں کا ہے گویا کہ نام جہانداریاں اور جہاں بانیاں
 ڈبوتی ہیں آخر کو منجھدار میں یہ فرعونیاں اور ہامانیاں
 محبت کا دنیا کے حالی مآل

پشیمانیاں ہیں پشیمانیاں

کوئی محرم نہیں ملتا جہاں میں مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں میں
 قفس میں جی نہیں لگتا کسی طرح لگا دو آگ کوئی آشیاں میں
 کوئی دن بواہوس بھی شاد ہو لیں دھرا کیا ہر اشارات نہاں میں
 کہیں انجام آپہنچا دنس کا گھلا جاتا ہوں اس کے امتحاں میں
 نینا ہے لیجئے جب نام اس کا بہت وسعت ہے میری اتالیں
 دل پر درد سے کچھ کام لوں گا اگر فرصت ملی مجھ کو جہاں میں
 بہت جی خوش ہوا حالی سے مل کر
 ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

و

مرے دلیں ہو۔ گو مجھے نہاں ہو مجھے بھی ڈھونڈ لینا تم جہاں ہو

ق

ق

دھیروں تذکرہ وصل عدد کا اگر سمع مبارک پر گراں ہو
 نقائصے محبت ہے۔ وگرنہ مجھے اور جھوٹ کا تم پر گراں ہو
 بہت بقیہ رہوں محفل میں تیری کہیں ناخواندہ تو بھی میہاں ہو
 مجھے ڈالا ہے سو وہم و گماں میں بہت کیوں آج مجھ پر مہرباں ہو
 کمرؤں پر ہمارے باندھ رکھے جسے سستی ہماری داستاں ہو

موت ہے بہت حالی ترا وعظ
 کل اسکے سامنے بھی کچھ بیاں ہو

موت ہے پیرنیاں کا کہ جوانی نہ گنواؤ
 دل کو کس طرح سمجھے کہ وہی ہو یہ دل
 بارگاہ بھگتا ہے نہ تو غیر کو غیب
 دوست ہوں جبکہ ہزاروں وہ کسی کا نہیں دوست
 دوستی برقی جہاں سوز ہو بن خواہ نہ بن
 ایک ہی دوست اور اس سے ہمیں چھوٹاتے ہو
 ہو گیا ذکر قیامت تو احسب ان اعط
 بھگواے ابر بلا دیکھ کے جی چھوٹ گیا
 ہونے اسے غصہ کہ ہر وقت مدد گاری کا
 دیکھیں کس طرح نہ سرسبز ہو پھر کشت امید
 اسے شرافت سمجھے بلکہ ہی اگر مفت تو بہن
 لطف ساتھ کے جا پہنچے حرم کے لگ بھگ

خیر کفارہ عصیاں ہے پیو اور بلاؤ
 وہ امیدیں میں ارمان نہ اٹنگیں میں چاؤ
 تو تو اچھا ہے مگر میرے برے میں برتاؤ
 بیچ بنا جھکو کسی سے بھی ہر دنیا میں لگاؤ
 ہی برابر تڑا بے ساختہ پن اور بناؤ
 ناصحاب تھیں دشمن کہیں یا دوست بناؤ
 باتیں کچھ اور کرو قصہ کوئی اور بناؤ
 ایک ہی بار تم اے بادلو! اس طرح نہ چھاؤ
 ڈگمگاتی ہے بہت تیرے منجد ہا میں ناؤ
 آؤ اور دنیاں آج آنسو و کیل کے بہاؤ
 آجکل کیجے کیا؟ ہی ہی بازار کا بھاؤ
 وقت اب ہاتھ سے جاتا ہی جاتے ہو تو آؤ

اس کے نالوں نے کیا بزم کو آ خر بے لطف
 ہم نہ کہتے تھے کہ حالی کو نہ محفل میں بلاؤ

۵

در فیض حق بند جب تھا نہ اب کچھ
ہر اک کو نہیں ملتی یاں بھیک نہ اہ
کچھ اور آؤ بکر تم اسے سب مرنا
یہ طبل تھی ہیں جو بکارتے ہیں
دیا تو نے یاں جس بہانے سے چاہا
ہو افسردہ مجلس کی تخت سے داغ
تم اپنی سی کنی تھی جو کہ چکے سب
یہ ہے میر مجلس کہ چینی کی مورت
فقیروں کی جھولی میں ہی رہی ہے
بہت جانچ لیتے ہیں ڈپتے ہیں تپ کچھ
ہینن پچھتے یاں حسب اور لب کچھ
جنھیں کچھ خبر دہ کہتے ہیں کب کچھ
ہنسہ کام آیا نہ علم و ادب کچھ
وہ گرمایگا یہ لپچیں گے جب کچھ
نہیں ناصحو! تم یہ الزام اب کچھ
ٹٹو لو تو بیچ اور جو دیکھو تو سب کچھ

کوئی لقمہ چرب تا کا ہے شاید
یہ حالی کی غزلت نہیں بے سبب کچھ

بڑھاؤ نہ آپس میں ملت زیادہ
تکلف علامت ہے بیگانگی کی
کرو دو ستو پہلے آپ اپنی عزت
بکا لو نہ رخنے نسب میں کسی کے
کرد علم سے کتاب شرافت
فراغت سو دنیا میں دم بھر نہ بیٹھو
جہاں رام ہوتا ہے بیٹھی زبان سے
مصیبت کا ایک اک سو احوال کہنا
کرد ذکر کم اپنی داؤد و ہش کا
پھر اور دلوں کی تکتے پھر دگے سخاوت
مبادا کہ ہو جائے نفرت زیادہ
نہ ڈالو تکلف کی عادت زیادہ
جو چاہو کریں لوگ عزت زیادہ
نہیں اس سے کوئی رذالت زیادہ
نجات سے ہے یہ شرافت زیادہ
اگر چاہتے ہو فراغت زیادہ
نہیں لگتی کچھ اس میں دولت زیادہ
مصیبت سے ہی مصیبت زیادہ
مبادا کہ ثابت ہو خست زیادہ
بڑھاؤ نہ حد سے سخاوت زیادہ

کہیں دوست تم سے ہو جا میں ملن
جو چاہو فقیری میں غرت سے رہنا
وہ افلاس اپنا چھپاتے ہیں گویا
نہیں چھپتے عیب اتنی ثروت سے تیرے
ہر الفت بھی وحشت بھی نیا سو لازم
فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا
یکے الفت یاں ہم زمانہ کے ہاتھوں
ہولی عمر دینا کے دھندوں میں آخر
جست او نہ اپنی محبت زیادہ
نہ رکھو امیروں سے ملت زیادہ
جو دولت سے کرے میں نفرت زیادہ
خدا دے تجھے خواجہ ثروت زیادہ
پہ الفت زیادہ نہ وحشت زیادہ
مگر اس میں ٹرتی ہے محنت زیادہ
پہ دیکھا تو تھی یہ بھی قیمت زیادہ
نہیں سبب اب اس عقل ہمت زیادہ
غزل میں وہ رنگت نہیں تیری حالی

الاس میں نہ بس آپ دھڑپت زیادہ

حقیقت محرم اسرار سے پوچھ
دن اعیان کی اعیان سے سن
ہماری آہ بے تاثیر کا حال
دلوں میں ڈالنا ذوق اسیری
دل ہجر سے سن لذت وصل
نہیں جز گریہ غم حاصل عشق
نہیں ایک بغا جز جلوه دوست
فریب وعدہ دیدار کی تدبیر
فغان شوق کو مانع نہیں وصل
تصور میں کیا کرتے ہیں جو ہم
متاع بے بہا ہے شعر حالی

ق
مزا انکور کائنات سے پوچھ
مری الفت درو دیوار سے پوچھ
کچھ اپنے دل سے کچھ اعیان سے پوچھ
کنہ گیسوئے خمدار سے پوچھ
نشاط حایت بیمار سے پوچھ
ہماری چشم دریا بار سے پوچھ
کسی لب لث نہ دیدار سے پوچھ
شہیدِ خجہ انکار سے پوچھ
یہ نکتہ عنایب زار سے پوچھ
وہ نقویر خیال یار سے پوچھ
مری قیمت مری گفتار سے پوچھ

ہے اُن کی دوستی پر ہم کو توبہ گمانی
 بیجرم کوئی آخر کب تک سُنے ملامت
 عاشق کے دلوں ٹھنڈک چھ تیری آگ میں ہے
 اُمید وصل سے جو کچھ جی پھڑا ہے دیتا
 ہر حکم پر ہوں راضی ہر حالی میں بخش
 صبر و سکون سے ہکو یہ بھی نہیں دے
 پھر یہ بنائے ہستی جو تیرے بعد ویران
 دیکھا حال جاننا آنکھوں نے اور نہ دل

اک نکتہ کے بیاں سے سر بر نہو گے حالی

چلتا نہیں کسی کا یاں لای نکتہ دانی

کدو کوئی ساقی سے کہ ہم مرتے ہیں پیاسے

گرتے نہیں۔ دے زہری کا جام بلا سے

جو کچھ ہے سو ہے اُسکے تغافل کی شکایت

قاصد سے ہے تکرار نہ جھگڑا ہے صبا سے

دُلاہ نے اُمید دلائی تو ہے۔ لیکن

دیتے نہیں کچھ دل کو تسلی یہ دلا سے

ہے وصل تو تقدیر کے ہاتھ اسے شبہ خواہاں

یاں ہیں۔ تو فطرتی محبت کے ہیں پیاسے

پیاسے ترے سر گشتہ ہیں جو راہ طلب میں

ہوئوں کو وہ کرتے نہیں تر آب بقا سے

درگذرے دوا سے تو بھروسے پہ دُعا کے
 درگذریں دُعا سے بھی دُعا ہے یہ خدا سے
 اک درد ہو بس آٹھ پہرِ دل میں کہ جس کو
 تخفیف دوا سے ہو نہ تسکین دُعا سے
 حالی دلِ انسان میں ہر گم دولت کو بین
 شرمندہ ہوں کیوں غیر کے احسانِ عطا سے
 جب وقت پڑے دیئے دستکِ دردِ دل پر
 جھکے فقراتے نہ جھکے اُمرا سے
 بکب دُعا میں ہے جھکا کہ چمن کس کا ہے
 کل بتائے گی خزاں یہ کہ دُعا کس کا ہے
 فیصلہ گردشِ وداں لے کیا ہے سوا بار
 ہر و کس کا ہے پدِ حُشاں و خُشاں کس کا ہے
 دم سے پُست کے جب آباد تھا یعقوب کا گھر
 چرخ کہتا تھا کہ یہ بیتِ حُسن کس کا ہے
 مطمئن۔ اس سے مسلمان نہ سیحی نہ یہود
 دوست کیا جائے یہ چرخِ کُن کس کا ہے؟
 داغِ اک عیب سے تو پاک ہے یا ذاتِ خدا
 ورنہ بے عیب زمانہ میں چلن کس کا ہے
 آج کچھ اور دنوں سے ہے سوا استغراق
 عزمِ تسخیر پھر اسے شیخِ زمن کس کا ہے
 آٹھ پڑتی ہے ہر اک اہلِ نظر کی تم پر

تم میں رُوبِ اے گل و نسیم و سمن کس کا ہے؟
 عشق اُدھر عقل اُدھر دُھن میں چلے ہیں تیری
 رستہ اب دیکھے دونوں میں کُھن کس کا ہے
 شان دیکھی نہیں گرتوںے چمن میں اسکی
 دلولہ تجھ میں یہ اے مرغِ چمن کس کا ہے؟

ہیں فصاحت میں مثلِ دعا و حالِ دُنو
 دیکھنا یہ ہے کہ بے لاگ سخن کس کا ہے

ہوا کچھ اور ہی عالم میں چلتی جاتی ہے
 عجب نہیں کہ رہے نیک بد میں کچھ نہ تمیز
 سیاہ و میر سپہ باغِ باغ ہیں۔ لیکن
 کہا جو میں نے وفا کرتے آئی ہیں احباب
 قتل نہیں نہیں گردِ ستوں سے بچنے کا
 بہت سے کھو دیے خُجانِ مینوالی نے
 ہوئے ہیں بارِ امانتِ سیرے سب عاجز
 اڑے گی خاکِ تقدس کی اب میر بازار
 ہنر کی عیب کی صورت بدلتی جاتی ہے
 کہ جو بدی ہو وہ ساچو میں ڈھلتی جاتی ہے
 بہیر روتی ہے اور ہاتھ ملتے جاتی ہے
 کہا زمانہ کی عادت بدلتی جاتی ہے
 طبیعت اپنی بھی کچھ بدلتی جاتی ہے
 ضرورت ایک کو بعد ایک ملتے جاتی ہے
 زمیں بھی اپنے خزانے اُگلتی جاتی ہے
 فقیہ و شیخ میں جوتی اُچھلتی جاتی ہے

نہ خونِ مرئیے جب تھا نہ اب ہر کچھ حالی

کچھ اک جھپک تھی سودہ بھی نکلتی جاتی ہے

بڑی اور بھلی سب گزر جائے گی
 لے گا نہ گلچیں کو گل کا پستا
 رہیں گے نہ تاج یہ دن سدا
 اُدھر ایک ہم اور زمانہ اُدھر
 یہ کشتی تو نہیں پار اُتر جائے گی
 ہر اک پنکھڑی یوں بکھر جائے گی
 کوئی دن میں گنگا اُتر جائے گی
 یہ بازی تو تنہا بہتے ہر جائے گی

بناوٹ کی شیخی نہیں رہتی شیخ ! یہ عزت تو جائے گی پر جائے گی
 نہ پوری ہوئی ہیں امیدیں نہ ہوں یونہیں عمر ساری گزر جائے گی
 تئیں گے نہ حالی کی کب تک صدا
 یہی ایک دن کام کر جائے گی

سلف کی دیکھ رکھو راستی اور راست اخلاقی
 کہ اُن کے دیکھنے والے ابھی کچھ لوگ ہیں باقی
 نہیں خالی ضرر سے وحشوں کی ٹوٹ بھی لیکن
 حذر اُس ٹوٹ سے جو ٹوٹ ہے علمی و اخلاقی
 نہ گل چھوڑے نہ برگ و بار چھوڑے تو نے گلشن میں
 یہ گلچینی ہے یا لُٹ ہے گلچیں یا ہے تزاری
 کمال کفش دوزی علمِ انلاطوں سے بہتر ہے
 یہ دو لکھتے ہیں سمجھے جس کو ماشائی نہ اشرافی
 رہی دانائی آخر غالب آکر پسلاوانی پر
 گئے چین مان سب چینی و فرغانی و قجانی
 ہمارے طرف ہی انعام کے قابل نہیں در نہ
 لٹھا ختم پنجم غیروں پہ کیوں مسک ہو گرسائی
 مدارج کوشش و تدبیر کے سب ہو چکے حالی
 لطیفہ رہ گیا ہے دیکھنا اک غیب کا باقی

اہل معنی کو ہے لازم سخن آرائی بھی بزم میں اہل نظر بھی ہیں تماشا لی بھی
 اپنے اور غیر کے حق کی نہیں کچھ رکھتے تمیز اس میں تیری بھی ہیں کوئی بھی ہیں صحرائی بھی
 آکھ سب ایک کھلی رکھتے ہیں اور ایک مندی اس میں سلم بھی ہیں بہند بھی ہیں عیسائی بھی

جو چھپاتے ہیں حق اندیشہ رسوائی سے گھات میں اُنکے لگی بیٹی ہے رسوائی بھی
دوست گر بھائی ہندو دوست تو بھی۔ لیکن بھائی گردوست نہیں تو نہیں کچھ بھائی بھی
اے غم دوست تجھی پر نہیں اپنی گذران کچھ فوج اسکے سوا اور ہے بالائی بھی
دل غمی رکھتے ہیں ای دولت نیا جو لوگ تیوران کے کبھی تو دیکھ کے شرمانی بھی
عقل ہو۔ اپنی حماقت کو چھپانکی انھیں جنہیں کچھ ساتھ حماقت کو ہو خود رانی بھی
عقل اور حسن پہ جن کے بھری مجلسِ گواہ اُن کو خود رانی بھی بھتی ہے خود رانی بھی
ملنے دیگی نہ اجل تم سے ہیں جی بھر کر فرصت ای دوستو! دنیا سے اگر پائی بھی

جی گئے ہم۔ پہ رہو مردوں سے بدتر حالی

دیکھ لی ہننے بلیوں کی سیجائی بھی

رہا کھل کے زاہد کا زہرِ ریائی بنائی بہت بات پر بن نہ آئی
برائی ہے مندوں میں بھی شیخ لیکن کہاں یہ بُرائی کہاں وہ بُرائی
گناہوں کی بچنے کی صوٹ نہیں جب عبادت میں کیوں طان نافرمانی
رکا ہاتھ جب بن گئے پارِ سام نہیں پارِ سامی یہ ہے نارِ سامی
ٹرا آپ کو وہ سمجھتا ہے ہم سے سوا اسکے شمع میں ہے کیا بُرائی
جو کہتے تو جھوٹی جو سنے تو سچی خوشامد بھی ہم لے عجب چیز پائی
ہوئی آکے پیری میں قدرِ جوانی سمجھ ہم کو آئی یہ ناوقت آئی
دہی جو کہ کرتا ہے رائی کو پریت وہ پریت کو بھی کر دکھاتا ہے رائی
جوانی میں عاشق تھے اب ہم ہیں ناصح جوداں دل پہلی تھی تو یاں منھ کی کھائی

قیاس آپ پر سب کو کرتے ہو حالی

نہیں اب بھی اچھوں سے خالی خدائی

۵ یعنی غم دینا غم زن و فرزند وغیرہ ۱۲ ۵ اپنے دائم المرض ہونے کی طرف اشارہ ہے ۱۲

دھل کا اُس کے دل زار مٹائی ہے نہ ملاقات ہے جس سے نہ ثنا سالی ہے
 قطع امید نے دل کر دیے کیسو۔ صد شکر شکل مدت میں یہ اللہ نے دکھائی ہے
 قوت دستِ خدائی ہے شکیبائی میں وقت جب آکے پڑا ہے یہی کام آئی ہے
 ڈر نہیں غیر کا جو کچھ ہے سوا پنا ڈر ہے ہمتے جب کھائی ہے اپنی ہی سوزک کھائی ہے
 نشہ میں چورہوں۔ بھانجھ میں محو رہوں پنہ پر خرابات نے مسمائی ہے
 نظر آتی ہیں اب دل میں تمتا کوئی بعد مدت کے تمتا مر سی بڑائی ہے
 بات سچی کہی۔ اور انگلیاں اٹھیں سب کی

بیچ میں حالی کوئی رسوائی سی رسوائی ہے؟

اتنی ہی دشوار اپنے حبیب کی پہچان ہے جقدر کرنی ملامت اور کو آسان ہے
 سامنا ہے موت کا ہونا محبت سے دوچار آئے اس میدان میں ادا کر کچھ جان ہے
 دیکھ اے بکبل دریا گلبن کو آنکھیں کھل کر پھول میں گر آن ہے کانٹے میں بھی کشتان ہے
 عقل بھلی پر نہ سمجھی حرص و آرزو انسان کی لے نہ اب نام آدمیت کا اگر انسان ہے
 چیز ٹپوں میں اتحاد اور کھیلوں میں اتفاق آدمی کا آدمی دشمن خدا کی شان ہے
 تجھ میں جوت اسی شمع ہے کس برق عالم سوز کی جان دول سے تجھ پر نہ جیوں قربان ہے

دل میں حالی کے رہے باقی نہ بس ارمان کچھ

جی میں ہے کچھ اب اگر باقی تو یہ ارمان ہے

تم میں وہ سوز نہ تم میں ہے وہ ایماں باقی

رہ گیا کیا ہے اب اے گہر و مسلاں باقی؟

بزمِ دعوت میں رسائی ہوئی اپنی اسوقت

میزبان جب نہ رہا کوئی نہ مہماں باقی

حق ادا کر نگہ لطف کا ہو گا کیوں کر؟

دل دین لے چکے اور ہوا بھی احساں باقی
 ظاہر اور وہی اُلفت کا نہیں چارہ بند یہ
 ورنہ چھوڑا نہیں ہم نے کوئی درماں باقی
 توشہ موجود ہے حالی نہ سواری نہ رفیق
 ابھی کرنے ہیں بہت کونج کے سماں باقی
 جب یہ کہتا ہوں کہ میں دنیا پہ اب ثقیف کیجئے
 نفس کہتا ہے ابھی چندے توقف کیجئے
 واں رسائی ہے صبا کی اور نہ قاصد کو ہے بار
 اُس سے آخر کس طرح پیدا تعارف کیجئے
 ضبط کیجئے در و دل تو ضبط کی طاقت نہیں
 اور کھلا جاتا ہے راز و دل اگر اُراف کیجئے
 دوست کے تیر ہیں ہم ہر رنگ میں پہچانتے
 بے تکلف ملے ہم سے یا تکلف کیجئے
 جیکہ عقبی مل گئی دنیا ہے پھر سہل الوصول
 شیخ لگتے ہاتھ اس پر بھی تصرف کیجئے
 وقت تھا جو کام کا حالی گنوا بیٹھے اُسے
 جائے اب عمر بھر بیٹھے تأسف کیجئے
 توبہ حضرت کی رو نہیں اک دو دھ کا سا ہوا بال
 ہم دکھا دینگے ذرا دم بھر توقف کیجئے
 فکر فرا کی گھلے پڑ گئی عادت کیسی
 جان کو پہنے لگالی ہے یہ علت کیسی
 جب خزاں ہو گئی آنکھ تو رہا ہم خزاں
 جن کی قیمت میں ہو کلفت انھیں اس کیسی

جی کا اُلفت کو سمجھتے تھے ہم اک ہلاوا
 جیتے جی رکھ نہ فراغت کی توقع نادان
 عیب جی کو نہیں خلق کی دم بھر فارغ
 جو حقیقت ہو ہیں آگاہ تری اے دُنیا
 جانشا ہو دہی۔ دل پر ہو گذرتی جس کے
 ہمنے اول سے پڑھی ہو یہ کتاب آخر تک
 جبکہ رہتا نہیں تابو میں دل اپنے ناصح
 وہ تو آفت تھی ہمارے لئے اُلفت کیسی
 قید ہستی میں مری جان فراغت کیسی؟
 جنکو کچھ کام نہیں یاں! بھینس صحت کیسی
 وہ نہیں جانتے ہوتی ہے مصیبت کیسی
 ہم کہیں کس سے کہ درپیش ہو حالت کیسی
 ہم سے پوچھے کوئی؟ ہوتی ہے محبت کیسی
 وحی بھی کام نہیں کرتی۔ نصیحت کیسی

نظر آتا تھا یہ پہلے ہی سے حالی انجم
 یار کی میں بھی کہوں ہے یہ عنایت کیسی

سعی سے بہتر تن آسانی مری کفر سے بدتر مُسلمانی مری
 تھا نہ محتاج سبب عفو کریم کچھ نہ کام آئی پشیمانی مری
 خلد میں بھی گر رہی یاد اسکی زلف کم نہ ہو شاید پریشانی مری
 ہے لباسِ جسم تک مجھ پر گراں دُور جا پہنچی ہے عریانی مری
 مانعِ گناہت ہے ہم خزاں موت کرتی ہے نگہبانی مری
 قدرِ نعمت ہے بقدرِ اشتہار حشر پر پھری ہو مہمانی مری

خندہ زن ہے اُس مُسلمانی پہ کفر

جیسی ہو حالی مُسلمانی مری

پردے بہت سے وصل میں بھی درمیان رہے

شکوے وہ سب سنا کئے اور مہرباں رہے

کیا کیا ہیں دل میں دیکھے ارماں بھرے ہوئے

ہم میزبان نہیں جو کوئی میہبساں رہے

حرماں میں ہاتھ سے نہ دیا رشتہ اُمید
اب تک تو ہم جہاں میں بہت شادماں رہے
پوچھی گئی نہ بات کہیں پاس وضع کی
اتنے ہی ہم سبک ہوئے جتنے گراں رہے
دیرو حرم کو تیرے فناؤں سے بھر دیا
اپنے رقیب آپ رہے ہم جہاں رہے
داراؤ حرم کو تیرے گداؤں پہ رشک ہے

نریخ متارِ عشق - الہی گراں رہے
حالی سے بل کے ہو گئے افسردہ دل بہت
اگلے سے دلوں سے اب اس میں کہاں رہے

کل مدعی کو آپ پہ کیا کیا گماں رہے بات اس کی کاٹتے رہو اور ہمزباں رہے
یارانِ تیر کام نے محل کو جالیا ہم محوِ نالہ جس کا رواں رہے
یا کہینچ لائے دیر سے رندوں کو اہلِ غذا یا آپ بھی ملازمِ پیرِ خدا رہے
وصلِ مدام کی بھی ہماری بھٹی نہ پیاس ڈوبے ہم آبِ خضر میں اور نیچاں رہے
کل کی خبر غلط ہو تو چھوٹے کا رومباہ "تم مدعی کے گھر گئے اور مہماں رہے"
دیر یا کو اپنی موت کی طینا یوں سے کام کشتی کسی کی پار ہو یا دریاں رہے

حالی کے بعد کوئی نہ سہر و دھیر ملا

کچھ راز تھے کہ دل میں ہماری نہاں رہے

حق و دفا کے جو ہم جتانے لگے آپ کچھ کہہ کے مٹکرائے لگے
تھایا ہاں دل میں طعنِ وصلِ عدو عذر ان کی زباں پہ آنے لگے
ہو جینا پڑے گرفت میں وہ اگر بہت آزمائے لگے

رہے میری زبان نہ کھل جائے
 جان بچی نظر نہیں آتی
 تم کو کرنا پڑے گا عذرا
 سخت مشکل ہے شیدہ تسلیم
 جی میں ہے لوں رضا پر میناں
 تیرا بطن کو فاش کر یا رب
 اب وہ باتیں بہت بنانے لگے
 غیر الفت بہت جتانے لگے
 ہم اگر دردِ دل سنانے لگے
 ہم بھی آخر کو جی پرانے لگے
 قافلے پھر حرم کو جانے لگے
 اہل ظاہر بہت سنانے لگے

وقتِ رخصت تھا سخت حالی پر

ہم بھی بیٹھے تھے جب وہ جانے لگے

حشر تک یاں دل شکایا چاہیے
 ہر تجلی بھی نقابِ روئے بار
 غیر ممکن ہے نہ ہوتا شیرِ غم
 ہر دل انگاروں کی دلداریِ ضرور
 ہر کچھ اک باقی خلشِ امید کی
 دوستوں کی بھی نہ ہو پردا ہے
 بھاگے ہیں آپ کے اندازِ دنا
 شیخ اسے انکی نگہ جاؤ بھری
 کب ملیں دلبر سے دیکھا چاہیے
 اس کو کین آنکھوں سے دیکھا چاہیے
 حالِ دل پھر اس کو لکھا چاہیے
 گر نہیں الفت مدارا چاہیے
 یہ بھی شجائے تو پھر کیا چاہیے
 بے نیازی اس کی دیکھا چاہیے
 کیجئے اغماضِ جہننا چاہیے
 صحبتِ رنداں سے بچنا چاہیے

لگ گئی چپِ حالی رنجور کو

حال اسکا کس سے پوچھا چاہیے

جڑوں کا رفا ہوا چاہتا ہے
 دم گر یہ کس کا تصور ہے دلیں
 خط آنے لگے شکوہ آمیز آنکے
 قدمِ دشتِ پیما ہوا چاہتا ہے
 کہ اشکِ اشکِ دریا ہوا چاہتا ہے
 ملاپ ان سے گویا ہوا چاہتا ہے

بہت کام لینے تھے جس دل سے ہر کو
 ابھی لینے پائے نہیں دمِ جان میں
 تجھے کل کے وعدے پہ کرتے ہیں نصرت
 فزوں تر ہے کچھ اندوں فوقِ عصیا
 درِ رحمت اب وا ہوا چاہتا ہے
 کوئی دن میں رسوا ہوا چاہتا ہے
 وفا بشرطِ الفت ہے۔ لیکن کہا تک؟
 بہت خط اٹھاتا ہے دل تجھ سے ملکر
 غم رشک کو تلخ سمجھتے تھے ہمد
 سودہ بھی گوارا ہوا چاہتا ہے
 بہت چین سے دن گزرتے ہیں حلی
 کوئی فتنہ برپا ہوا چاہتا ہے

ق جس کو غصے میں لگاؤ کی ادایا دہے
 آج دل لے گا اگر کل نہ لیا۔ یاد رہے
 شوق بڑھتا گیا جوں جوں رے اُس شوق سے ہم
 یہ سبق وہ ہے کہ چو لے سے بیا د رہے
 ہم بھی آدابِ شریعت سے تھے آگاہ۔ مگر
 نہ بڑاؤ میں جو رسم وہ کیا یاد رہے
 یاد آؤ گے بہت۔ لطف سمجھ کر کیجیے
 اس بھلائی کا ہے انجام بُرا۔ یاد رہے
 شیخ یاں شمیم گنہ شوق بھلا دیتا ہے
 توبہ اُن کی ہے جھینس اپنی خطا۔ یاد رہے
 وادی عشق میں موسیٰ کو ہو گئے رخصت تید

ہاتھ کٹوائیں جو پھر کفش و عصا یاد رہے
خضر نے پاؤں اگر دشتِ قنا میں رکھا

بھول جائیں گے رہِ آپ بقا یاد رہے
دلِ بڑی طرح لگا عشقِ تہاں میں اُمّ شجّہ

دینِ پڑا پائیں اگر اب کے خدا یاد رہے
چارہ گز کا ربا نڈا زہِ تدبیر نہیں

کبھی ہمت اگر وقتِ دُعا یاد رہے
ابھی جانا نہیں حالی نے کہ کیا چیز ہیں وہ

حضرت اس لطف کا پائیں گے فرما یاد رہے
ملنے کی جو نہ کرنی تھی تدبیر کر چکے

آخر کو ہم حوالہ تقدیر کر چکے
افسوس شبِ وصال کے واں کارگر نہیں

نالے شبِ فراق کے تاثر کر چکے
اسے دل اب آزمائشِ تقدیر کا ہو وقت

وہ استحسانِ برتیش ششیر کر چکے
کہتے ہیں طبعِ دوست شکایت پسند ہے

ہم مشکوہ ہائے غیر بھی تحریر کر چکے
بھولے رہے تصویرِ فرگاں میں چند روز

دیکھا تو دل کو ہم ہر تیسرے کر چکے
جاں لب تک اشتہار میں آتی ہے بار بار

مشاطہ جلد ترسیں تقریر کر چکے

دل لے کے ایک میراثہ فارغ ہوئے ہیں وہ
گویا کہ اک جہان کو شغیر کر چکے

حالی! اب آؤ پیروی مغربی کریں
بس اندازے مصحفی و میر کر چکے

نہ وہاں پریش نہ یاں تاب سخن ہو
بہت لگتا ہے دل صحبت میں اسکی
بناوٹ سے نہیں خالی کوئی بات
عدو سے بات محفل میں نہ کرنی
بہت دل میں تری عاشق کو درکار
دلاتی ہے صبا کس کو چسپن یاد
کردن تجھ سے بیاں کچھ درد غربت
رہے لاہور میں آکر سو جانے
نہیں آتی کہیں یاں بوسے یوسف
یہاں بیگانگی ہے اس قدر عام
نہ کچھ محبوں کو ہے پروا کے لیلیٰ

۱۵۔ یہ غزل تقریباً ۱۲۸۹ء میں اس وقت لکھی تھی جبکہ مجھے بقیہ بلازمت دلی چھڑ کر لاہور
جانا پڑا تھا اس وقت اول تو دلی سے جدا ہونا ہی سخت شاق گذرا تھا۔ دو سہ لاہوریوں کسی سے
جان پہچان نہ تھی۔ وہاں پہنچتے ہی نہایت سخت دبا آئی۔ اور وہاں سے ہینہ کے بعد
مشتاک چپک اور بخار کا زور و شور نہا۔ آخر کار راقم بھی سخت بیمار ہو گیا۔ اس تنہائی
اور سر آسٹمگی و غم اندوہ کی حالت میں یہ اشعار لکھے گئے تھے (۱۲۔ حالی)

مجھے تنہا سمجھیں اہل لاہور۔
 مری خلوت میں ہے ہنگامہ بزم
 بتاؤں تم کو ہوں کس باغ کا بیول؟
 بتاؤں تم کو ہوں کس نصیب کی بھول؟
 عدم کی راہ کٹ جاتی کبھی کی
 مگر یاد عزیزاں راہزن ہو
 نہ لینے دیگا جنت میں بھی آرام
 یہی گر جذبہ مہر وطن ہو
 گریں نظروں سے سب باتیں بڑائی
 مگر الفت کہ اک رسم کہن ہو
 بھلا حالی اور الفت سے ہو خالی!
 یہ سب تم صابروں کا حسن ظن ہو
 کیا ہے اس نے کہتے ہیں سخن ترک

مگر ہم کو ابھی اس میں سخن ہو
 دہم تھی اپنی پارسائی کی
 کی بھی اور کس سے آشنائی کی
 کہوں بڑھاتے ہو اختلاط بہت
 ہم کو طاقت نہیں جدائی کی
 مٹھ کمانشک چھاد گے ہم سے
 تم کو عادت ہے خود غائی کی
 لاگ ہیں ہن لگاؤ کی باتیں
 صلح میں چھپے لڑائی کی
 ملتے غیروں سے ہو ملو لیکن
 ہم سے باتیں کرو صفائی کی
 دل رہا پاسے بند الفت دام
 تھی عبت آرزو رہائی کی
 دل بھی پہلو میں تو یاں کس سے
 رہتے امید دل رہائی کی
 شہر دریا سے باغ و صحرا سے
 بو نہیں آتی آشنائی کی
 نہ ملا کوئی غارت ایساں
 رہ گئی شرم پارسائی کی

یہ غزل بھی لاہور میں اسی وقت لکھی گئی تھی جبکہ نزل سابق لکھی گئی تھی۔ آخر کے اشعار
 میں اس امر کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے ۱۲۔ (حالی)

بخت ہمدانی شیدا تو نے آخر کو نارسائی کی
 صحبت گاد گاہی رشتہ شعلی تو نے بھی ہم سے بیوفائی کی
 موت کی طرح جس سے ڈرتے تھے ساعت آہد پچی اس جدائی کی
 زندہ پرے کی ہے ہوس حالی
 انتہا ہے یہ بے حیائی کی

ق کردیا غور جفا تو نے خوب ڈالی تھی ابتدا تو نے
 دور ہونے پچی تھی اپنی آزادی پر خدا جانے کیا کیا تو نے
 کیوں نہ آئینکے پال وہ اسی ہم بس سنائیں نے اور کہا تو نے
 گوش و لب تہ لائے تھے ہم آج نہ کہا اور نہ کچھ سنا تو نے
 صبر کا ہے بہت ہڑا انجام ہم کو سمجھا ہو دل میں کیا تو نے
 ابتداء کے وفا ہے نہ دنیا میری دیکھی نہ انتہا تو نے
 دل سے قاصد بنا کے وعدہ صیل اور کہو یا رہا ہوا تو نے
 ایک عالم کو خوش کیا اور شک ہم کو کس سے خفا کیا تو نے
 جی میں کیا ہے جو بخشو یا آج
 حالی اپنا کہا سنا تو نے

ق کر کے ہمیں رومی دو تو نے جان سے پہلے دل لیا تو نے
 رہبر و تشنہ لب نہ گہرا نا اب لیا چٹہ لقا تو نے
 شیخ جب دل ہی دیر میں لگا آگے مسجد سے کیا لیا تو نے

۱۰ شیدا سے مراد شی محمد کرم اللہ خاں عکا دہلوی ہیں کہ اس زمانہ میں کبھی کبھی ٹکڑے کرے
 تھے اور شیدا تخلص کرتے تھے ۱۱ (حالی)

۱۲ رنگی آریل نواب محمد علی خاں بہادر رئیس جہانگیر آباد کا تخلص ہے ۱۲ (حالی)

دور ہوائے دل آں اندیش کو دیا غم سے کامزا تو نے
ایک بیگناہ وار کے نگاہ کیا کیا چشم آشنا تو نے
دل دین کو سے کہے تھے سئے دیر یاں بھی سب کچھ دیا خدا تو نے

خوش ہے امید خلد پر حالی

کوئی پوچھے کہ کیا کیا تو نے

ق

دل کو درد آشنا کیا تو نے درد دل کو دوا کیا تو نے
طبع الساں کو دی رشتہ وفا خاک کو گھسیا کیا تو نے
وصل جانان محال ٹھہرایا قتل عاشق روا کیا تو نے
تھناہ جز غم بساط عاشق میں غم کو راحت فرما کیا تو نے
جان تھی اک و بال فرقت میں شوق کو جان گزا کیا تو نے
تھی محبت میں تنگ منہ غیر جذب دل کو رہا کیا تو نے
راہ نہاد کو جب کہیں نہ ملی قطعہ در میخانہ داکیا تو نے
قطع ہونے ہی جب لگا پیوند ۲ غیر کو آشنا کیا تو نے
تھی جہاں کاروان کو دینی راہ عشق کو رہنما کیا تو نے
ناؤ بھر کر جہاں ڈوبی تھی عقل کو ناخدا کیا تو نے
بڑھ گئی جب پازر کو ہر سپر اس کو اس سے جدا کیا تو نے
جب ہوا ملک نال نہر ہوش بادشہ کو گدا کیا تو نے
جب ملی کام جاں کو لذت درد درد کو بے دوا کیا تو نے
جب دیا راہرہ کو ذوق طلب سعی کو نارسا کیا تو نے

۵ اس شعر میں پند و نسیہ کا اشارہ حضرت یعقوب یوسف علیہم السلام کی طرف اور اگلے شعر میں
بادشاہ سے مراد ابراہیم ابن ادہم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ۱۲۔ (حالی)

پردہ چشم تھے حجاب بہت حسن کو خود نما کیا تو نے
 عشق کو تابِ انتظار نہ تھی عرفہ اکٹُل میں داکیا تو نے
 حرم آباد اور دیرِ خسرب جو کیا سب بجا کیا تو نے
 سخت افسردہ طبع تھے اجاب ہم کو جاؤ نوا کیا تو نے
 پھر جو دیکھا تو کچھ نہ تھا یا رب کون پوچھے کہ کیا کیا تو نے
 حالی اٹھا ہلاکے محفل کو
 آخر اپنا کسا کیا تو نے

نفس کی فرما زوائی ہو چکی خود پسندی خود نمائی ہو چکی
 اب ہیں پیری کی عبودیت کو دن بسجانی کی حسدائی ہو چکی
 گرم جوشی - لعلِ صحبت ہو چکا ناخوشی - غمگی - لڑائی ہو چکی
 موت کی راحت فرمائی کا ہر وقت زندگی کی جاں گزاری ہو چکی
 قطرہ اب دریا میں جانے کو ہے تیری سجادائے جدائی ہو چکی
 جلتے ہیں جبریل کے شہرِ جاں بے پروں کی دماں رسائی ہو چکی
 دیکھنا ہو تجھ کو اب اسے جذبہ عشق عقل کی زور آزمائی ہو چکی
 قید خانہ میں گیا دل جن کا لگت اُن اسیروں کی رہائی ہو چکی
 دیر میں بھی لیجے بہمت آزما مسجدوں میں جہ سائی ہو چکی
 خود بڑا بن کر دکھاؤ آپ کو باپ دادا کی بڑائی ہو چکی
 دقت ہو اے زاہد - اب نشیر کا شہرت زہرِ ریائی ہو چکی
 ہے چڑھائی علم کی مذہب پہ اب شرکِ بدعت کی چڑھائی ہو چکی
 فلسفے سے اس کی اب مٹ بیٹھو سفسطے سے ہاتھ پائی ہو چکی
 رگہی ہے مذہب و ملت کی جنگ ملک و دولت کی لڑائی ہو چکی

ہو نہ مذہب کی صفائی جیت تلک اہل مذہب کی صفائی ہو چکی

اب ہمیں صُغفے کا اسے حالی دینا

بس بہت ہڈیاں سسرالی ہو چکی

مستی جل میں غفلت کا نشا اور سہی شب تاریک میں گھنگھو رگھٹا اور سہی

دوستو! روگ بظاہر نہیں جانو لا ہو چکیں ختم دوائیں تو دعا اور سہی

کم نہ تھے روگ جہانی میں بھی کچھ اور سہی رعشہ اب اور سہی - نغمہ نش پا اور سہی

گر گنہ عفو کی امید نہ کرنا ہو خطا ہیں جہاں کہ گنہ ایک خطا اور سہی

شہ کو یہ خوف و خزاں جل - خوفِ ال کہ دو - اے پیغمبر اک خوفِ خدا اور سہی

ہو فاکوئی غبی ہو نہیں جو تجھ میں؟ دھناتے ہیں جہاں - ایک فادہ اور سہی

تو کہ دنیا کے ملاق تو کئے سب اہر گونا سب ہو - تو اک ترک یا اور سہی

تیرا الفاس مژدوں کو کیا ہے زندہ ایک گھٹکا ادھر اے باد صبا اور سہی

میر میں ملا کچھ - تو نہ توڑ اس لئے ل ایک دولت ساقی پر صدا اور سہی

تم تو حالی یہی طرز اپنی بنا ہے جاو

طرز شعر فصاحت و بلاغ اور سہی

نہ پیش کیخسروی رہے گا نہ صولت ہمیں رہے گی

رہے گی اے منعمو - تو باقی دیے کی کچھ روشنی رہے گی

ہے گی گردش و کما کے پنچا جو ہو گے تارے تم آسمان کے

کسی کی آگے نہ رہی ہو - نہ اب تمہاری بنی رہے گی

را یا تو برائیوں کو تو بنے - بچھاڑا مازندرائیوں کو

کہاں تلک اسے شراب غفلت یہ تیری مردانگی رہے گی

علامہ غزل ۱۹۱۱ء کی تصنیف ہے ۱۲ (اسماعیل)

رہے گی کس طرح راہ امین کہ رہنما بن گئے ہیں نہن
 خدا لکھنا ہے قافلوں کا اگر یہی رہنمائی رہے گی
 صفائیاں ہو رہی ہیں جتنی دل اتنے ہی ہو گئے ہیں میلے
 اندر پراچھا جائے گا جہاں میں۔ اگر یہی روشنی رہے گی
 کر لگی کچھ عقل رہنمائی۔ نہ علم سے ہو گی کچھ صفائی
 نگاہ کی گندگی میں دیا یونہیں ہمیشہ سنی رہے گی
 بگاڑ نہ رہے جو ہیں ڈالے نہیں وہ تاحشر ٹٹنے والے
 یہ جنگ وہ ہر جو صلح میں بھی یونہیں ٹٹنی کی ٹٹنی رہے گی
 قبولیت کی گرد نہ پروا جو چاہو مقبول عام ہونا
 رہو گے گر حسن ظن کے طالب تم سے یہاں نطفی رہے گی
 جو چھوڑے میراث کچھ نہ حالی تو اس سے دل تنگ نہ وارث
 رہیں گے ہر سال میں غنی وہ جو نیت اُن کی غنی رہے گی
 کہنے کی بات ہو تو اسے کہہ سنائیے ۱
 دنیا کی ہو ہوس تو دل و دین گنوائیے
 یہ کیا کہ دل ہو دیر میں اور کعبہ میں مقام؟
 اگر جان کا ضرر ہو۔ محبت میں ناصحو
 اور اعتبار رکھتے ہو اپنا رہا سہا
 بھر پائے بس زمانہ سے جو مانگتے تھے حق
 مشکل ہے پاک ہونا اگر دل نہیں ہو پاک
 پھر نہ ہو جو کہ کو دتا غیروں کی آگ میں
 جو دل پہ بن رہی ہو وہ کیونکر دکھائیے؟
 یاں کھوئے بہت سا تو کچھ جا کے پائیے
 ہو رہے بس ہیں کس جہاں دل لگائیے
 ہم جان ہی سے بیٹھے ہیں بیزار جائیے
 ہیں آگیا یقین ہمیں قسین نہ کہائیے
 فارغ خطی ہم اپنی ابھی کہہ دیں لائیے
 زمزم میں غسل کیجے کہ گنگا نہائیے
 خیر اس اجل گرفتہ کی کب تک نہائیے
 لے یونہی رستی بل کی طرف اشارہ ہے ۱۲ (حالی)

ہوتی ہجوم غم میں ہے کیوں نہ ہنر کی تلاش
حالی بتائیں آپ کو۔ گر کچھ کھلائیے

وصف چمن نفس میں سُنو عندلیب سے
نالوں سے ایک دم نہیں مسکین کو قرار
اگر در لگا دساتھ گئے سب شباب کے
صاحب دل سے دُور رکھو خیال نشاطِ عمر
شادی ہو ایک کی دُہی جو دوسرے کا غم
دول بڑھتی نہ درِ دول کو مروں اس میں باجیوں
کہتا ہوں۔ دیکھتا ہوں جسے خوار و بے وقار
طالب میں صدق ہے نہ عقیدت مرید میں
پڑھے وہ خطبہ جس میں صدقِ صفائے ہو
ناتے میں تم کو دیکھ کے جاتی ہو جھوک بھاگ
بجس کے جی میں آئے بھر شاعری کا دم
نعم البدل ہے داغ کا حالی ”کلامِ داغ“

ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے

تیرہم لگائے جاتا ہے
دیکھتے اور کیا دکھائے فلک
دوستوں کو رُلا چکا۔ لیکن
ہو چکی قوم مُردہ۔ پر جب آباد
گو کہ حالی میں دم نہیں باقی
گو نہیں آسِ خیر کی۔ لیکن

نظروں نظروں میں کھائی جاتا ہے
ابھی آنکھیں دکھائے جاتا ہے
دشمنوں کو مہنائے جاتا ہے
ابھی دُورے لگائے جاتا ہے
دُور اپنی ہائے جاتا ہے
خیر سب کی منائے جاتا ہے

ابنئے اس میں کوئی ریا نہ ہے
وہی راگ اپنا گائے جاتا ہے

— — — — — (۱۴۰) — — — — —

حصہ دوم تمام شد

=====

حصہ سوم

رباعیات

وہ رباعیات جو مولانا نے دیوان مرتب کرتے وقت اس میں درج کی تھیں
شکوے قریب ہیں یہ رباعیاں دیوان سے علیحدہ بھی "رباعیات حالی" کے
نام سے کتابی شکل میں مختلف مطابع سے متعدد بار چھپ کر شائع ہو چکی ہیں اور
ملک میں ان کی کافی شہرت ہو چکی ہے۔

دیوان حالی کے شائع ہونے کے بعد بھی (جو کہ پہلی مرتبہ ۱۸۹۷ء
میں چھپا تھا) مولانا نے بہت سی رباعیاں کہی تھیں جو مختلف اخبارات و رسائل
میں شائع ہوتی رہتی تھیں۔ ان سب کو میں نے تلاش کر کے "جوہرات حالی"
میں درج کر دیا تھا جو مولانا کی غیر مطبوعہ اور پرانہ نکلوں کا مجموعہ ہے اور
گزشتہ سال چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔

اب یہاں نئی و پرانی۔ جدید و قدیم۔ مطبوعہ و غیر مطبوعہ غرض تمام
رباعیات جو مل سکیں درج کی جاتی ہیں۔ وہ بھی تمام رباعیات اس میں
ہیں جو دیوان حالی میں تھیں اور وہ بھی جن کو میں نے "جوہرات حالی"
میں جمع کیا تھا۔ تیز کے لئے "جوہرات حالی" والی رباعیوں کو میں نے
آخر میں درج کیا ہے اور ہر ایک رباعی پر لکھ دیا ہے کہ وہ کہاں سے
حاصل کی گئی ہے۔

اسماعیل

توحید

کاٹٹا ہے ہر اک جگر میں اٹکا تیرا حلقہ ہے ہر اک گوش میں لٹکا تیرا
 مانا نہیں جس نے تجھ کو جانا ہو ضرور بھٹکے ہوئے دل میں بھی ہو کھٹکا تیرا

ایضاً

ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا آتش پہ مٹا لے راگ گایا تیرا
 دھری نے کیا دھڑے تعمیر کئے انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

ایضاً

طوفان میں جب جہاز چکر کھاتا جب قافلہ داؤی میں ہو سر ہکراتا
 اسباب کا آئینہ ہو جب اٹھ جاتا داں تیرے سوا کوئی نہیں یاد آتا

ایضاً

جب لیتے ہیں گھیر تیری قدرت کے ظہور منکر بھی پکار اٹھتے ہیں تجھ کو محبوب اور
 خفاش کو ظلمت کی تہ سوجھی کوئی راہ خورشید کا شش جہت میں پھیلا جب نور

ایضاً

جیسا یوسی دلوں پہ چھا جاتی ہے دشمن سے بھی نام تیرا چواتی ہے
 ممکن ہو کہ سکھ میں ل جائیں اطفال لیکن انھیں دکھ میں ماں ہی یاد آتی ہے

ایضاً

مٹی سے ہوا سے آتش و آب یاں کیا کیا نہ ہوئے بشر پہ اسرار عیاں
 پر تیرے خزانے میں ازل سے اب تک گنجینہ غیب میں اسی طرح ہناس

۱۲ یعنی جو کچھ اب تک ظاہر ہوا ہے وہ بمقابلہ اس کے جو خزانہ غیب میں مخفی ہے

کان لم یکن ۱۲ (حالی)

توحید

ہستی سے ہر تیری رنگ بوسکے لئے طاعت میں ہر تیری ہر دوسکے لئے
ہیں تیرے سوا سائے سہائے کمزور سب اپنے لئے ہیں اور توبسکے لئے
ایضاً

کیا ہوگی دلیل تجھ اور اس سے زیادہ دنیا میں نہیں ہر ایک دل جو کہ ہوشاد
پر جو کہ میں تجھ سے لڑ لگائے بیٹھے رہتے ہیں ہر ایک رنج و غم سے آزاد

نعت

وہا کو تو نے محو تجید کیا عشاق کو مست لذت دید کیا
طاعت میں ہانہ ق کی ساجھی کوئی توحید کو تو نے اہکے توحید کیا
ایضاً

بطحائے عرب کو محترم تو نے کیا اور امیڈوں کو خیر اتم تو نے کیا
اسلام نے ایک کر دیا روم و تمار بچھڑے تھے گلہ کو ہم تو نے کیا
ایضاً

بطحا کو ہوا تیری دلادت شرف یثرب کو ملا تیری قامت شرف
ادلاد ہی کو خشن نہیں کچھ تجھ پر آبا کو بھی ہر تیری اتوت شرف

صلح کل

ہندو سے لڑیں نہ گبر سے بیر کریں شر سے بچیں اور شر کے عوض خیر کریں
جو کہتے ہیں یہ کہ ”ہے جہنم دنیا“ وہ آمیں اور اس بہشت کی سیر کریں

ترکِ شعر عاشقانہ

بیل کی چمن میں ہمربانی چھوڑی - بزمِ شعرا میں شعر خوانی چھوڑی
جب سے دل زندہ تو نے ہرگز چھوڑا - ہم نے بھی تری رام کہانی چھوڑی

پیرانِ زندہ دل

خوش ہوتے ہیں کچھ میں کامرانوں کی طرح - ہیں ضعف سے لڑتے پہلوانوں کی طرح
دل لگنے میں غلط اُگنے جو کرتے ہیں تیر - ہنسنے کے پیری کو جوانوں کی طرح
نیکی اور بدی پاس پاس ہیں

چولوگ ہیں نیکیوں میں مشہور بہت - ہوں نیکیوں پر اپنی نہ مغرور بہت
نیکی ہی خدا کا بدی ہو گر ہو نہ خلوص - نیکی سے بدی نہیں ہو کچھ دور بہت

امتحان کا وقت

زاہد کتنا تھا جان ہو دین پر قربان - پر کیا جب امتحان کی زد پر ایمان
کی عرض کی تھی کئیے اب کیا ہو صلاح؟ - فرمایا کہ بھائی جان جی ہو تو جہان

عشق

ہے عشق طبیبِ دل کے بیماروں کا - یا گھر ہے وہ خود ہزار آزاروں کا
ہم کچھ نہیں جانتے - یہ اتنی ہو خبر - اک مشغلہ دلچسپ ہے بیکاروں کا

نیکیوں کی جاتی

نیکیوں کو نہ ٹھہرائو بڑے فرزند - اک آدھ ادا ان کی اگر ہو نہ پسند
کچھ نقصِ انار کی لطافت میں نہیں - ہوں اُسیں اگر گلے ٹٹرنے والے چند

دوستوں سے بچا موقع

تازیت وہ محوِ نقشِ مہم ہے - جو طالبِ دوستانِ معصوم رہے
اصحاب سے بات بات پر جو بگڑے - صحبت کی وہ برکتوں سے محروم رہے

شراب اور جوانی

ہو بادہ کشتی پر نہ جو الو معشون گردن پہ نہ لوعقل خسار داد کا خون
خود مدد شباب اک جنوں ہوا بقم کرتے ہو خوں جنوں پہ اک اور جنون
غور و سب علیوں سے بدتر ہے

مکن نہیں یہ کہ ہر بشر عیب سے دور پر عیب بچے تا بخت دور ضرور ہو
عیب اپنے گھٹاؤ پہ جب در رہو گھٹنے سے کہیں ان کے نہ بڑھ جائے غرور
گفتار و کردار میں اختلاف

جو کرتے ہیں کچھ زبان کہتے ہیں وہ کم ہوتے نہیں ساتھ جمع دہم اور دم
بڑھتا گیا جس قدر کہ حسن گفتار بس اتنے ہی گھٹتے گئے کردار میں ہم
شرط قبول

مکن ہے کہ جو ہر کی نہ ہو قدر کہیں پر قدر کہیں بغیر جو ہر کے نہیں
غیر کو نہ لیں معنی یہ امکاں ہی مگر غنبر کی جگہ نہ لے گا کوئی شہر گیں
طالب کو سوچ سمجھ کر پسربنا نا چاہیے

ہوں یا انہوں پیر اہل عرفان و یقین پر ڈرتے کہ طالب ہنوں نادان کہیں
کاہک کو ہے احتیاج چار آنکھوں کی اور ایک کی بھی نیچے والے کو نہیں

عالم و جاہل میں کیا فرق ہو
میں جاہل میں سب عالم و جاہل مہر آتا نہیں فرق اسکے سوا امتیاز
عالم کو ہے علم اپنی نادانی کا جاہل کو نہیں جاہل کی کچھ اپنے خبر

موجودہ ترقی کا انجسام
پوچھا جو کل انجسام ترقی بشر یاروں سے کہا پیر مغاں نے ہنس کر

لے دم دعویٰ اور قدم علیٰ ۱۲ حالی لے برگیں کے معنی گوبر کے ہیں۔ ۱۱۔ اسماعیل

باقی نہ رہے گا کوئی انسان میں عیب ہو جائیگے چل چلا کے سب عیب ہنر
مُسرف کو کیونکر فراعنت حاصل ہو سکتی ہے
اک منہم مسرف نے یہ عابد سے کہا ”کر میرے لئے حق سے فراعنت کی دعا
عابد نے کہا یہ ہاتھ اٹھا کر سو کے چرخ ”محتاج کر۔ اس کو جلد اسے بار خدا“

کام کی جلدی

یاں رہنے کی ہمت کوئی کب پاتا ہے آتا ہے اگر آج۔ توکل جاتا ہے
جو کرنے میں کام اُن کو جلدی ٹھکاتا و طلبی کا پیام وہ چلا آتا ہے
غرض

ہے نفس میں انسان کے جلی یہ مرض ہر سچی پہ ہوتا ہے طلبگارِ عوض
جو خاص خدا کے لئے تھے کام کئے دیکھا تو ہناں انہیں بھی تھی کوئی غرض
انقلابِ روزگار

بسن بس کے ہزاروں گھراڑ جاتے ہیں گڑ گڑ کے علم لاکھوں اکٹڑ جاتے ہیں
آج اس کی ہر نوبت توکل اُنکی باری بن بن کے یونہیں پھیل گپڑ جاتے ہیں
تقاضائے سن

حالی کو جو کل فردہ خاطر دیکھا پوچھا باعث تو مہنس کے یہ سن لیا
”رکھو نہ اب اگلی صحبتوں کی امید وہ وقت گئے اب اور موسم آیا“
جسکو زندگانی کا بھروسہ نہیں وہ کوئی بڑا کام نہیں کر سکتا
دنیا سے دنی کو نقشِ فانی سمجھو رُودادِ جہاں کو ایک کہانی سمجھو
پر جب کرو آغا کوئی کام بڑا ہر سانس کو عسرِ جاودانی سمجھو
آثارِ زوال

آیا کو زمین و ملک پر اطمینان اولاد کو سستی پہ قناعت کا گمان

بچے آوارہ اور بے کار جوان ہیں ایسے گھرانے کوئی دن کے مہمان
شان ادا پار

جور میں جو پایا ایک چیل مسٹ ان برسات میں سبزہ کا نہ تھا چپ نشان
ایس تھے جیسے جوتے سو دھقان یاد آتی نہیں قوم کے ادا پار کی شان
تفاق کی علامت

ہر دم میں آفرین کے لائق ہوتا شیریں سخنی سے شہد فائق ہونا
مکن نہیں جب تک کہ ہندو لیں تفاق آسان نہیں مقبولِ خلائق ہونا
مسلمانوں کی ہمہری

جب تک کہ ہندو دشمن افواں پکا ہوتا نہیں مومن کا اب ایماں پکا
ہم قوم کی غیر مانگتے ہیں حق سے بٹلتے ہیں کسی کو جب مسلمان پکا
مکروریا

حالی رہ راست جو کہ چلتے ہیں سدا خطرہ انھیں گرگاہ نہ ڈر شیروں کا
لیکن ان بھیر لوگ واجب ہے حذر بھیروں کے لباس میں ہیں جو جلوہ نما
جو ہر قابلیت

ہیں بے ہنروں میں قابلیت نشان پوشیدہ ہیں دخیوں میں اکثر انسان
عادی ہیں لباس تربیت سے ورنہ ہیں طوسی نہ زاری انھیں شکلوں میں نہان

اسے علم کیا ہے تو نے ملکوں کو نہال غائب اتو جہاں سے وہاں آیا نہ وال
ان پر ہوئے غیب کے خزانے مفتوح جن تو موسیٰ ٹھہرایا تجھے رائے المال
ایضا

اسے علم کلید گنج شادی تو ہے سر چشمہ نعماد ایا دی تو ہے

اس پیش دو جہاں ہے سایہ میں ترسے دنیا کا وسیلہ دین کا ہادی تو ہے

ہے تجھ سے ہمال جیسی مغرب کی دین علم کس شرق کو وہ فین تجھ سے ای علم نہیں
شاید اسے علم ماہِ خشب کی طرح رہتی ہیں شعاعیں تری محدود وہیں

خاندانی عزت

بیٹا نکلتے نہ جب تک ذلت سے عزت نہیں اس کو باپ کی عزت سے
سوچو تھے کھات کا نسب بھی عالی پر اس کو شرف نہیں کچھ اس نسبت سے

عزت کس چیز میں ہے

دولت نے کہا۔ مجھے ہے عزت ہر جا "قرایا ہمنے ہیں ہوں عزت کا نشان"
عزت بولی۔ غلط ہے دونو کا بیان میں بید ہو حق کا جو ہو نیکی میں نہان

توقع بجا

ہیں یا رفیق۔ پرصیت میں نہیں ساتھی میں عزیز۔ لیک ذلت میں نہیں
اس بات کی انساں تو توقع ہو عبت جو نوع بشر کی خود جلیت میں نہیں

عقل اور دوستی متضاد ہیں

ہے عقل میں حقد کی اور بیشی اتنی ہی مغارت ہے یہاں اور خوشی
وہ دوست نہیں جس نے کیا فکر کال ضدین ہیں دوستی و دور اندیشی

عیش و عشرت

عشرت کا شرم تلخ سدا ہوتا ہے ہر تہقہ پیغام بکا ہوتا ہے
جس قوم کو عیش و دست پاتا ہوں کتا ہوں کہ اب دیکھے کیا ہوتا ہے

ایضاً

اے عیش و طرب نے جہاں راج کیا سلطان کو گدا غنی کو محتاج کیا

ویران کیا تو نے نینو اور پابل لہذا کو قرطبہ کو تاراج کیا

غیبت

بدوقت ہے ہر اک بزم کی اب غیبت میں ہر کوئی خلش ہے ہر اک صحبت میں
اوروں کی بُرائی ہی پہ ہے فخر وہاں غزلی کوئی باقی نہیں جس امت میں

عشق

اے عشق کیا تو نے گھرانوں کو تباہ پیروں کو خُرف اور جالوں کو تباہ
دیکھا سدا سلامتی میں تیری قوموں کو ذلیل - خاندانوں کو تباہ

سببِ والِ سلطنت

دیکھو جس سلطنت کی حالت درہم سمجھو کہ وہاں ہے کوئی "برکت کا قدم"
یا تو کوئی بیگم ہے مشیرِ دولت یا ہے کوئی مولوی وزیرِ اعظم

دین و دنیا کا رشتہ

دنیا کو دیے دین نے اسرار و حکم دُنیا نے کر دین کی تھامی جدم
گردین کی مومن بہت ہو دُنیا دُنیا کے بھی احسان نہیں دین پہم
آزادگانِ راستباز کی تکفیر

یاروں میں پایا جب کوئی عیب گناہ کافر کہا داغ نے انہیں اور گمراہ
جھوٹے کو نہیں ملتی شہادتِ جہنم لانا ہے خدا کو اپنے رعوٰی پہ گواہ

۱۵ یعنی کفر و ضلالت ایسی چیزیں ہیں جنکا علم خدا کے سوا اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ مثلاً شیخ اکبر کو
بعض صدیق کہا ہے اور بعضوں نے زید بن ابیہ بات کہ وہ فی الواقع صدیق تھے یا زید بن خدا
سوا اور کوئی نہیں جانتا پس جس شخص میں کوئی مڑکی اخلاقی بُرائی یا عیب موجود نہ ہو سکتی تکفیر یا
تفصیل کرنی ایسی بات ہے جیسے کسی جھوٹے مدعی کو شہادت ملے اور وہ اپنے رعوٰی پر خدا کو گواہ قرار دے (۱۲)
(عالم)

بے پروائی و بے غیرتی

باب پر گزیم جاں کا ہے مدار اس قوم کا چیتنا ہے حالی دشوار
عزت کی نہیں ہے جس کو ہرگز پروا ذلت سے نہیں ہو جس کو ہرگز کچھ عار
عفو باوجود قدرت انتقام

موسیٰ نے یہ کی عرض کہ اے بار خدا مقبول تر اکون ہے بندوں میں ہوا
ارشاد ہوا بندہ ہمارا وہ ہے جو لے سکے اور نہ لے بدی کا بدلا

سخنی کا جواب نرمی سے

فتنہ کو جہان ملک ہو دیجے تسکین نہ ہر اگلے کوئی تو کیجے باتیں شیریں
غصہ غصے کو اور بھڑکاتا ہی اس عارضہ کا علاج بالمثل نہیں
ہمت

یتور نے اک مورچہ زیر دیوار دیکھا کہ چڑھا دانہ کو لیکر سوار
آخر سر رام لیکے پہنچا تو کہا ”مسئل نہیں کوئی پیش ہمت دشوار“

کم ہمتی

جبر یہ قدر یہ کی بحث و تکرار دیکھا تو نہ تھا کچھ اس کا مذہب مدار
جو کم ہمت تھے ہو گئے وہ محبوب جہا ہمت تھے بن گئے وہ مختار

پشیمانی

انجام ہے جو کفر کی طعنائی کا ثمر ہے وہی عقلمند نادانی کا
لذت سے ندامتوں کی جانا ہم نے درخ بھی ہے اک نام پشیمانی کا

تاسف و زفات تو ابضیاء الدین احمد خاں مرحوم نے تخلص دی ہوئی
قری ہے نہ طاووس نہ کبک طناز آتے ہی خزاں کر گئے سب پرواز

مقی باغ کی یادگار اک بسبیل زار سو اسکی بھی گل سے نہیں آتی آواز
ایضاً

غالب ہو نہ شفیقت نہ نیر باقی وحشت ہو نہ سالک نہ انور باقی
حالی اب اسی کو بزم یاراں سمجھو یاروں جو کچھ داغ ہیں دل پر باقی
محنت

محنت کچھ پہل میں یاں ہر کام میں محنت ہی کی کہتیں ہیں ہر خرمن میں
موسیٰ کو ملی نہ قوم کی چو پانی جب تک نہ چرائیں بکریاں مہین میں
گدائی کی ترغیب

اک مرد تو انا کو حواس اٹل پایا کی میں نے ملامت اور بہت شرمایا
بولا کہ ہے اس کا انکی گردن پٹے بال دے دیکے جنھوں نے مانگنا سکھلایا
تکفیر اہل اسلام

کہنا فقہا کا مومنوں کو بے دین کہتے سنتے یہ ہو گیا ہم کو یقین
مومن سے ضرور ہو گا مرقد میں سوال تکفیر بھی کی تھی فقہانے کہ نہیں؟
ترک عاشقانہ گوئی

کچھ قوم کی ہے سو گوارہی سن لو کچھ چشم جہاں میں اپنی خواری سن لو
انسانہ قیس کو کہن یاد نہیں چاہو تو کتنا ہم سے ہماری سن لو
تنزل اہل اسلام

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے اسلام کا گزر کر نہ ابھرنا دیکھے
انے نہ کبھی کہ مہر ہر جزر کے بعد دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے

۵۰ یہ ان شعرائے دہلی کے نام ہیں جن کے ساتھ راقم کو ربط و اختلاص رہا ہے
نام اس سے کہ وہ مشہور و نامور ہوں یا نہوں ۱۲ (حالی)

اول کوشش اور بعد عا

کوشش میں ہر شرط ابتدا انسان سے پھر چاہیے انگنی مدد یزدان سے
جب تک کہ نہ کام دست و بازو سے لیا پائی نہ نجات نوحؑ نے طوفان سے
کام کرنا جان کے ساتھ ہے

ہے جان کے ساتھ کام انسان کے لئے بنتی نہیں زندگی میں بے کام کئے
جیتے ہو تو کچھ کیجئے زندوں کی طرح مردوں کی طرح جئے تو کیا خاک جئے
جھوٹی نمائش

میں جھوٹ کے بیج میں سب مہو نیوالے بننے والوں سے کم ہیں مہو نیوالے
گھڑیاں رہتی ہیں جنگی حبیبوں میں مام اکثر ہیں وہی وقت کے مہو نیوالے
چند عیب بہت سی خوبیوں کو نہیں مٹا سکتے

موجود مہر ہوں ذات میں جسکی ہزار بدن ہو عیب اسیں اگر ہوں دوچار
طاؤس کے پائے زشت پر کر کے نظر مگر حسنِ جمال کا نہ اس کے انکار
سکوت درویش جاہل

مصرف جو دیں وظیفہ خانی میں ہیں آپ خیر اپنی سمجھتے بے زبانی میں ہیں آپ
بولیں کچھ منہ سے یا نہ بولیں حضرت معلوم نہ ہو جتنے پانی میں ہیں آپ
ملحدوں کا طعن مسلمانوں پر

کہتا تھا کل اک منکر قرآنِ دُختر کیا لیں گے یہ اہل قبلہ باہم لڑ کر
کچھ دم ہے تو میدان میں آئیں مرنے کتاب بھی ہے شیر اپنی گلی کے اندر

۱۵ یعنی جب تک کہ کشتی نہ بنائی ۱۶ (حالی)

دہری کا الزام گور پرست پر

اک گور پرست نے یہ دہری سے کہا ”ہو گا نہ شقی کوئی جساں میں تجھ سا“
دہری نے کہا کہ ”کیا خدا کا منکر! اُس سے بھی گیا کہ جسکے لاکھوں ہوں خدا“

دانا کا حال نادانوں میں

کیا فرق؟ سماعت نہ وجب کانوں میں دانائی کی باتوں میں اور انسانوں میں
غربت میں ہو اجنبی مسافر جس طرح دانا کا یہی حال ہے نادانوں میں

رفارم کی حد

دھونے کی ہوا سے رفرم جاباتی کپڑے پہ جو جب تک کہ دھبہ باقی
دھو شوق سے دھبے کو پہ اتنا نہ رگڑ دھبہ رہے کپڑے پہ نہ کپڑا باقی

اپنی تعریف سن کر ناک چڑھانا

تعریف سے کھل جاتے ہیں ناداں فی القور واناؤں کے لیکن نہیں ہرگز یہ طور
ہوتے ہیں بہت وہ مدح سن کر ناخوش مقصود یہ ہے کہ ہوتا شیش کچھ اور

حسنِ ظنِ اصل حال نہیں کھٹنے دیتا

صوفی کو کسی نے آزمایا ہی نہیں نیکی میں شک اسکی کوئی لایا ہی نہیں
ہو سیکہ راج میں بھی شاید کچھ کھوٹ پر اسکو کسی نے یاں پتایا ہی نہیں

دینداروں کی بُرائیاں دین کو عیب لگاتی ہیں

پاتے ہیں زبون جو حال اہل اسلام اسلام پہ طعنہ زن ہیں اقوام تمام
بد پرہیزی سے بگڑے اپنے بیمار اور صفت میں ہو گیتا مسیح بدنام

فکر عقبی

منزل ہے بعید۔ باندھ لو زادِ سفر متوج ہے بحر۔ رکھو شتی کی خبر
گاہک چوکس ہے۔ لیچ لہو مال کھرا ہلکا کر دو بھٹ ہے کھن را گہز

انسان کی حقیقت

ممکن ہے کہ ہو جائے فرشتہ انسان ممکن ہے۔ بدی کا نہ رہے ہمیں نشان
ممکن تو ہو سب کچھ یہ حقیقت یہ ہے انسان ہو انک وہی قرآن الشیطان

سلاطین کا عشق

ہر خد برا ہے عشق کا سب کے آل پر حق میں ہے شاہوں کے خصوصاً فلال
سلطان ہو اگر ظلِ آہی۔ تو عشق ہو ظلِ آہی کے لئے وقتِ زوال

وقت کی مساعدت

اے وقت بگاڑ کا ہر سب کے چارہ پر تجھ سے۔ بگڑنے کا نہیں ہے یارا
ہو جائے گر ایک تو ہمارا ساتھی پھر غم نہیں بھر جائے زمانہ سارا

بڑھاپے میں موت کے لئے تیار رہنا چاہیے

کی طاعتِ نفس میں بہت عمر بسر انجام کی رکھی نہ جوانی میں خبر
کیفیتِ شب اٹھا چکے اب حالی مجلس کو ویرخواست۔ ہوا آفتِ سحر

دولت میں ثابت قدم رہنا بہت مشکل ہے

ڈر ہے کہ پڑے نہ ہاتھ دل سے دھونا زرد ارذرا سوچ سبھک ہونا
جسطح کہ سونے کی کسوٹی ہو محک ہو جو ہر انسان کی کسوٹی سوتا

حد سے زیادہ غصہ قابلِ عفو ہے

غصہ پر کسی غصہ آتا ہے وہیں جب تک کہ رہے وہ عقل و دانش کے قریب
اپنے سے جب اپنے ہو گیا تو باہر پھر کس سے ہوں آزرده کہ تو تو ہی نہیں

سُفہا کی مدح و ذم کرتے ہیں سفیہ اگر مذمت تیری
پر مدح کریں وہ گور (فسیبا عدا) رکھ یا دکھ اچھی نہیں حالت تیری

مرضِ پیری لا علاج ہے

بصفت کے بیچ سے بھگنا معلوم پیری کا جوانی سے بدلنا معلوم
کوئی ہے وہ چیز جبکا پانا ہو حال آتا ہے وہ وقت جس کا ٹلنا معلوم

اسراف

میسر نہ بس اپنے حق میں کٹے بوس نعمتِ خدا کی انگلیوں کوئیں
گر بخل پہ لوگ ان کے ہنسیں بہتر ہے اس کے فضولیوں پہ ان کی روئیں

رد سوال

یہ سچ ہے کہ مانگنا خطا ہے نہ عذاب زیبا نہیں سائل پہ مگر قہر و عتاب
بدتر ہے ہزار بار اسے دُور نہت سائل کے سوال سے تراغ جواب

کھانا بغیر بھوک کے فراہمین دیتا

کھانے تو بہت میسر آئے ہیں، جو دیکھ کے چکھ کے دلے بھاکر ہیں
پر سب لذت تھے وہ کھاتے اور بھوک جو تھے کبھی کبھی کھلائے ہیں ہیں

علم و عمل کا سرمایہ مال و دولت سے بہتر ہے

پھڑو کہیں جلد مال دولت کا خیال وہاں کوئی دن کے ہیں دولت ہو کہ مال
سرمایہ کر وہ جمع جس کو نہ کبھی اندیشہ فوت ہو نہ ہو خوف زوال

اچھوں کو بُرا سننے میں بھی مزا آتا ہے

رکھتے نہیں وہ مدح و ثنا کی پڑا جو کر کے بھلا خلق سے سننے میں بُرا
ان گالیوں کا ہر جن کو چسکا حالی آتا نہیں ان کو کچھ دعاؤں میں مزا

شکر یہ مدح کلامِ رستم

جوشِ غم بادہ جامِ خالی میں ہوا پھر دلولہ پیدا دلِ حالی میں ہوا
تسلیم نے دی کچھ اس طرح داؤ سخن مجھ کو بھی شک اپنی بے کمالی میں ہوا
احسان بے منت

احسان ہے گر صلہ کی خواہش تم کو تو اس سے بہتر ہے کہ احسان نہ کرو

علامہ مولوی سلیم الدین مرحوم نارنولی مقیم جے پور تخلص بہ سلیم نے چند قسطے اردو فارسی
کے راقم کے کلام کی ستائش میں اُسوقت بھیجے تھے جبکہ مدت سے فکرِ شعر کا اتفاق نہیں
ہوا تھا۔ ان قسطوں کے جواب میں یہ رباعی لکھی گئی تھی۔ ۱۲۔ (حالی)

کرتے ہو اگر احسان تو کر دو اسے عام اتنا کہ جہاں میں کوئی ممنون نہ ہو

قانونِ بد اخلاقی سے مانع نہیں ہوتے

متاثر ہونے میں ہیشتر یقیناً بیکار حاشا کہ ہوا ان پہ تعلیمِ عالم کا مدار
جو نیک ہیں انکو نہیں حاجت آنکی اور بد نہیں بنتے نیک ان کو نہ ہمار

مخالفت کا جواب خاموشی سے بہتر نہیں

حق بول کے اہل شر سے اڑنا نہ کہیں بھڑکے گی مدافعت اور آتش کہیں
گر چاہتے ہو کہ چپ ہیں اہل خلاف جو ترکِ جہان کوئی تدبیر نہیں

وا عظمیٰ نے کہا کہ وقت سب جاتے ہیں ٹل

اک وقت سے اپنے نہیں ٹلتی تو جہل
کی عرض یہ اک سیٹھ نے اٹھ کر کہ حضور
ہے ٹیکس کا وقت بھی اسی طرح اٹل

انسان اپنے عیب اپنے سے بھی چھپاتا ہے

جیسا نظر آتا ہوں نہ ایسا ہوں نہیں اور جیسا سمجھتا ہوں نہ ویسا ہوں نہیں
اپنے سے بھی عیب ہو چھپاتا ہے بس جھگوہی معلوم ہو جیسا ہوں نہیں

بڑھاپے میں عاشقی کا دم بھرنے

آہیں پری شیش بخ! بھرتے نہیں دل دیتیں۔ پرچی گزرتے نہیں یوں

تھے تم تو ہر اک قید سے آزاد سدا جو جیتے ہیں اسطرح وہ مرنے نہیں یوں

واعظوں کی سخت کلامی

اک گہر نے پوچھے جو اصول اسلام واعظ نے دُشٹی سے کیا اس کو کلام
بولاکہ حضور مفتدا ہوں جس کے ایسی نلت اور ایسے مذہب کو سلام

نواب قارالامرا اقبال الدولہ بہادر کی شان میں

توفیق نے اس کی چھوڑ دی ہمراہی
اقبال پہ جس نے فتحجابی پائی
حالی لے جائے کون بازی اُن سے
ہے جن کی رگوں میں خون آصفجاہی

عادت پڑی ہوئی مُشکل سے جاتی ہو

ہو عیب کی خوبیا کہ ہنسر کی عادت مُشکل سے بدلتی ہے بشر کی عادت
پھٹتے ہی پھٹے گا اس گلی میں جانا عادت اور وہ بھی عمر بھر کی عادت

— — — — — (*) — — — — —

۱۵۔ یہ راہی ۱۳۰۹ھ میں جبکہ رستم حیدر آباد میں مقیم تھا اور نواب وقارالامرا مہمئی
سے پولو میں بازی جیت کر آئے تھے۔ لکھی تھی گران کی خدمت میں بھیجی نہیں گئی۔ خون
آصف جاہی میں اس بات کا اشارہ ہے کہ حضور سے قربت فریہ رکھتے ہیں اور اقبال
کے لفظ میں اُن کے خطاب کی طرف اشارہ ہو ۱۲۔ (حالی)

عاشق کا نوحہ

مرنے پہ مرے وہ روزِ شب روئیں گے جب یاد کرینگے مجھے تب روئیں گے
الفت پہ - وفا پہ - جاں نثاری پہ مری آگے نہیں دے تھے تو اب روئیں گے

فرقت کی رات

فرقت میں بشر کی رات کیونکر گزرے اک خستہ جگر کی رات کیونکر گزرے
گدڑی ہنوجں بغیر یاں ایک گھڑی یہ چار پہر کی رات کیونکر گزرے؟

معشوق کی یاد

یاد اُس کی یہاں وِردِ دُدام اپنا ہے خالی نہ ہو کبھی وہ جام اپنا ہے
کس طرح نہ لیجئے کہ ہے نام اُس کا کس طرح نہ کیجئے کہ کام اپنا ہے

قولِ حق کا پاس

کیا پاس تھا قولِ حق کا اللہ اللہ تنہا تھے پہ اعدا سو پہ فراتے تھے شاہ
میں اور اطاعتِ یزیدِ گمراہ !!! لا حول ولا قوۃ الا باللہ

حُر کی آرزو

حُر کہتا تھا اے دل شہِ دیباہ سے مل گمرہ نہ ہو رہِ حق آگاہ سے مل
سرسنگی کوئے ضلالت کب تک؟ اللہ سے ملنا ہو تو چل شاہ سے مل

یہ نرید
 اگر کفر میں فرعون کا ثانی نکلا اک شام میں بیدار کا بانی نکلا
 سمجھا تھا نہ تھا بھر غفلت کی نرید داں نیل سے بھی زیادہ پانی نکلا

توحید

ہستی نری گوئیں ہے محتاج دلیل صبرِ دل مضطر کی مگر کیا ہے سبیل؟
 یسوع خیس مطہن ہو کیوں کر بے دیکھے ہوا نہ مطہن جیکہ خلیلؑ

ایضاً

اے عقل کی فہم کی رسائی سے دور ادراک سے اوچل۔ تو نظر سے مستور
 یہ حسرت دیدل میں متائم رکھو بس یاس کی ظلمت میں ہی ہو اک نور

ایضاً

سفر امانادی میں تری کام آیا سریرے لئے حسینؑ نے کٹوایا

۱۵ یہ رباعی اور اس کے آگے چو میں رباعیاں "علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ" مطبوعہ ۱۹۰۶ء

شمارے نقل کی گئی ہیں ۱۶

۱۷ جو تھے مصرع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس جواب کی طرف اشارہ ہو۔ جو انہوں نے
 جناب الہی میں عرض کیا تھا کہ "بلی و لکن بیطون قلبی"

مر کر کوئی پاسے - یا کہ سر کٹوا کر پایا تھے جس نے اس نے سب کچھ پایا

ایضاً

دریا سے اٹھا کے بھاپ مینہ برسیا پیراہن سبز خاک کو پہنایا
دانے کو کیا غسل تناور تو نے پانی جڑ سے پھٹنگ تک دوڑایا

خدا کی بے نیازی

منوائی ہے ہر سب سے بازی نے تری طبقے اٹے ہیں - ترکنازی نے تری
ہے کا دوسری اور کھلا اس پہ گواہ جو گھر گھالے ہیں بے نیازی نے تری

طالب صادق آخر کامیاب تہا

طالب کا سہے گا پڑ کے پاس آخر دے گا اسے صدق دل دلاسا آخر
جھوٹی نہیں گر پیاس - تو آگے پیچھے دریا پہ پہنچ رہے گا پیاسا آخر

تشنگی طلب

کب تک کوئی سوزش بہانی کو چھپائے کب تک اپنے کو تشنگی سیراب کھائے
کجدار و مرز سے تری اسے ساتی! پتھر کا کلیجا ہو تو پانی ہو مہائے

پیری

علم و عمل و کتاب سے نفرت ہے کہنے پڑھنے کے نام سے دشت ہے

تو نے ہر دردِ دوسرے دی آگے نجات پیری! رحمتِ ہوا تجھ کو صدرِ رحمت ہے

ایضاً

پیری نہیں منسزل فنا ہے گویا اب کون کا وقت آگیا ہے گویا
یوں جسم سے ہو گئی حرارت کا فور اک راکھ کا ڈھیر رہ گیا ہے گویا

انسان کی عظمت بقدر قلتِ حاجت ہے

دولت کی ہوس اصل گدائی ہے یہ سامان کی حرص بے نوائی ہے یہ
حاجت کم ہے۔ تو ہے یہ شہنشاہی اور کچھ نہیں حاجت۔ تو خدائی ہے یہ

افراطِ دولت کی مذمت

معنت سے وصول ایک پتیا ہو اگر کراشرفیوں کی نیولی پر نہ نظر
یہ کینچلی میں بھرا ہوا سانپ ہو سانپ! ہاں! سوچ سمجھ کے ڈالنا ہاتھ اسپر

دولت کی تعریف

دولت خرمن بھی۔ برقِ خرمن بھی ہے تلوار کی دھار بھی ہو خوش بھی ہے
تھوڑا سا آسین شر۔ تو ہر خیر بہت گر سانپ ہو یہ۔ تو سانپ کا من بھی ہے

حالتِ وجود پر فغانِ ہونا

حاصل ہے اگر خوشی۔ تو جو غم کی تلاش گرشہد تیرے۔ تو جو ستم کی تلاش
فانے نہیں کوئی حالتِ نقد یہاں جنت میں بھی شاید ہو جہنم کی تلاش

خوشی کی امید رکھنا ہی بڑی خوشی ہے

اولاد کا ہے ایک کے دلیں اربان اور دوسرے پر ہے بار اولاد گران
گر چاہے عالمِ تعلق میں خوشی رکھتے نہ یہاں خوشی کی امید انسان

نسبِ صحبتیں برہم ہونیوالی ہیں

نقشے ہیں خوشی کے سب بگڑنوالے پودے نہیں اسکے جڑ پکڑنوالے
مل بیٹھا ہے یہ ناؤ مذی سب جوگ ہیں اب کوئی دم میں سب بگڑنوالے

جیسی عیت ہوگی ویسی ہی اس پر حکومت کیجائیگی

حاکم سے بھلائی کی توقع ہے محال جب تک کہ رعیت کے بھلے ہوں نہ خصال
نم اپنے سوا کسی کے محکوم نہیں عمال ہیں بس ہی تمہارے اعمال

۱۵ اس رباعی میں ایک خاص صحبت کا ذکر ہے جس میں سب اصحاب تہذیبی و دینی ایک دوسرے سے بگڑنوالے تھے
۱۶ اس رباعی میں حدیثِ ذیل کی طرف اشارہ ہے یعنی تھما لکھو اٹھا لکھو ۱۲

دنیا کی موجودہ حالت

ہیں برف سے ملک پامال کہیں طاعون ہو نازل کہیں بہو بچال کہیں
اہتر ہے کچھ ان دنوں نظامِ عالمِ اعمال نہ ہوں خلق کے اعمال کہیں

افسوں محبت

ہے جن کو کہ مبدول انسان کا جال لازم ہے کہ پیلا میں محبت کا جال
استاد کو یاد ہو اگر حب کا حمل تعطیل نہیں نہ چوڑیں کتب اطفال

زخارفِ نبوی کی بے ثباتی

گلشن میں نہیں ہر تری اے گل جوڑی تو لے نہیں آن حسن کوئی چھوڑی
تھاجی میں کہ تجھ سے باندھے عہدِ صل پر کیجے کیا؟ عمر ہے تیری تنوڑی

غیروں کو اپنا بنانا

گر چاہو کہ جیتے ہی جملے کسلاؤ اپنوں کو سلوک نیک سے پرچاؤ
پر بد نظر ہو گر حیاتِ ابدی بیگانوں کو آشنا بناؤ۔ جاؤ

کام کا وقت

یارو! ہمیں وقتِ عیش و آرام کا یہ موقع ہے اخیرِ سفرِ انجام کا یہ
بس حبِ وطن کا جب چلے نامِ بہت اب کام کرو۔ کہ وقتِ ہر کام کا یہ

ذلت کی زندگی

نکبت میں ہو رنج و غم خوشی سے اولیٰ روزنایاروں کا ہر منہ ہی سے اولیٰ
میں بس میں بے وقار پر دیں میں غرار مرنا ہے بس ایسی زندگی سے اولیٰ

قدرِ نعمت بعد زوال

دوچار اگر ہیں کام کرنے والے ہیں اُن کو ہزاروں نام دہر نیوالے
تب قوم کی شاید کہ کھلیں گی آنکھیں مرجائیں گے جب قوم پہ مرے والے

قومی خدمت کا صلہ

کھدوا جنھیں اصلاح کا ہو قوم کی چاؤ طے جھیلو۔ بڑا سکو۔ گالیاں کھاؤ
یہ قوم کی خدمت کا صلہ ہے ہر دست گلاس پہ قناعت کا ارادہ ہو تو آؤ

مصاحبت کی بات مانتی لازم ہو

گر میرغاں کہے ”مرید کجبار“ ہو مصاحبت اس میں کچھ نہ کچھ اسی بخوار
ہو تانہ مساکین کا گر خیر اندیش حضریٰ ان کا نہ توڑ تا سفینہ زہنار

انصاف کی پکار

پاؤ گے نہ کوئی قاف سے لے تا قاف حق تلفیوں کے دلیں نہ ہوں جکے تنگ
گر غور سے مینے۔ فل ہی چار طرن انصاف! انصاف! آہ انصاف! انصاف

۱۵ حضرت خضر کے قصہ کی طرف اشارہ ہو دیگر آیات قرآنی و اماما السیفینہ نکات لمساکین ۱۵
یہ باقی اور اسکے آگے واد رہا عیان علیک ۱۵ انٹیٹیوٹ گزٹ موزم ۱۵ اگست ۱۹۵۷ء میں نقل کی گئی

اپنے دست بازو سے کام کرنے کی ترغیب
اُتر دیا سے اپنے بن تیر کے پار کب تک پیرو گے ہو کے تو ہوں یہ سوار
تم ڈوبنے کے یہ کر رہے ہو سامان اُردوں کا سہارا نکلنے والو! ہشیار!

----- (۱۶) -----

پیری میں لفسن کا اغوا کرنا

پیری میں نہ عقل چین لینے دیتی کرتا دستا نہ دل کو گر لفسن قوی
یاد آتی ہے جب موت تو سمجھاتا ہے "بابا کے آمدی و کے پیر شدی"۔

----- (۱۷) -----

قوموں کی زندگی اور موت میں فرق

اقوام میں زندگی کی ہے روح جہاں چونک اٹھتے ہیں ایکٹ ہاں "پہ ہاں پیر جہاں
کرتی نہیں دہی" مردہ قومیں وہ کام جو کام اک "کارٹون" کرتا ہے وہاں

----- (۱۸) -----

لفسن کی خواہشیں دولت کی دشمن ہیں

یا لفسن کی خواہشوں کو روک کر زردار یا فاقہ و فتنہ کے لئے رہ تیار
لاگے ہوئے ہیں چار طرف گھاتیں چور گھر سے ہشیار! مال و زر سے ہشیار!

----- (۱۹) -----

یہاں صرف دو چیزیں ہیں

گہر بار اپنا ہو اور نہ دولت اپنی گہنا اپنا۔ نہ ہے قرابت اپنی
اپنی نہیں کوئی چسپ نہ یہاں دو کوسوا ایک مت اپنی ہے۔ ایک تربت اپنی

۱۵ جس موقع پر ہم کہتے ہیں ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے "اسی طرح ایرانی اس موقع پر یوں بولتے ہیں
و کے آمدی کے پیر شدی" اس باجی میں لکھ کر کیا یہ ظاہر کیا گیا ہو کہ لفسن عقل کی بات نہیں چلنے دیتا اور ہر فقلہ
جانتا ہے ۱۶۔

عاشق و معشوق دونوں پر حسن کا تسلط ہے
 ہے حسن ہی کا کرشمہ چشم بد دور عاشق کی بے خودی جینوں کا غرور
 یہ وہ نئے تند ہے نشے میں جس کے عاشق بھی ہے چور اور معشوق بھی عمر پر

تشنگی طلب

ساقی ہلے سب کے کام آنے والے خم اپنے پرانے پر لٹھھانے والے
 پھینٹا رک ادھر بھی بادہ گلگوں کا ادٹھنے لبوں کی دون بچانے والے

علم کی ترقی سے یقینیات بھی مشکوک ہو جاتے ہیں

بڑھتا جاتا ہے جس قدر علم بشر کرتے جاتے ہیں شک خیالات میں گہر
 ہوتی جاتی ہے دھندلی اتنی ہی فضا جتنی کہ وسیع ہوتی جاتی ہے نظر

دنیا سراسر شر ہے

دنیا ہے وہ شر جس میں نہیں نام کو خیر رشتہ ہے بدی سے اسکا نیکی سے ہی نیر
 اور سب بڑا یہ عیب ہے اس میں کہ آہ سرتی نہیں یہاں کسی طرح اس کے بغیر

میر انیس لکھنوی

(غیر مطبوعہ)

اردو گوراج چار سوتیرا ہے شہروں میں رواج گو گویتیرا ہے
 ہر جب تک آئیس کا سخن ہے باقی تو لکھنؤ کی ہے لکھنؤ تیرا ہے

میر انیس لکھنوی

(غیر مطبوعہ)

دنی کو زبان کا سہارا تھا آئیں اور لکھنؤ کی آنکھ کا تارا تھا آئیں
دنی جڑ تھی تو لکھنؤ اس کی ہمار دونوں کو ہے دعویٰ کہ ہمارا تھا آئیں
ہنگامہ مسجدِ کان پور

(منقول از روزنامہ "ہمدرد" جلد نمبر ۱۰۶ مورخہ اکتوبر ۱۹۱۳ء)

یارِ این وطن نے قوم کا ساتھ دیا دی قوم نے دادِ قوم بے روڈ ریا
ہر سو بھڑک اٹھی آگ ہمدردی کی ہنگامہ کان پور نے کام کیا
ایضاً

صدِ شکرِ وطن سے کو حقِ نفرت نے کیا گہرا بلِ وطن کے دل میں الفت نے کیا
تقریروں سے ہو سکا نہ تحریروں سے جو کارِ نمایاں کہ مصیبت نے کیا
ایضاً

تاہمیں حق کے جو بلا آتی ہے ساتھ اپنے بہت سی برکتیں لاتی ہے
بچھڑے ہوئے دستوں کو ملواتی ہے روٹھے ہوئے بھائیوں کو منواتی ہے
روزانہ ہمدرد کا اجرا

(از ہمدرد ۴۴ جون ۱۹۱۳ء عیسوی)

منوں کی ہوس نہیاں خطا یوں کی طلب اک ملک کی خدمت کا ہی سودا یا رہا
"ہمدرد" کو اسمِ بانسہ کی بجائے اس نام کی لاج تری ہی ہاتھ رہا

حصہ سوم تمام شد

CALL No.

ACC. No. 25.60

AUTHOR

TITLE

کلیاتِ نظمِ عالی - نظمِ اول

[illegible]MAULANA
AZAD
LIBRARY

-:RULES:-

ALIGARH
MUSLIM
UNIVERSITY

1. The book must be returned on the date stamped above.
2. A fine of Re. 1/- per volume per day shall be charged for textbooks and 10 P. per vol. per